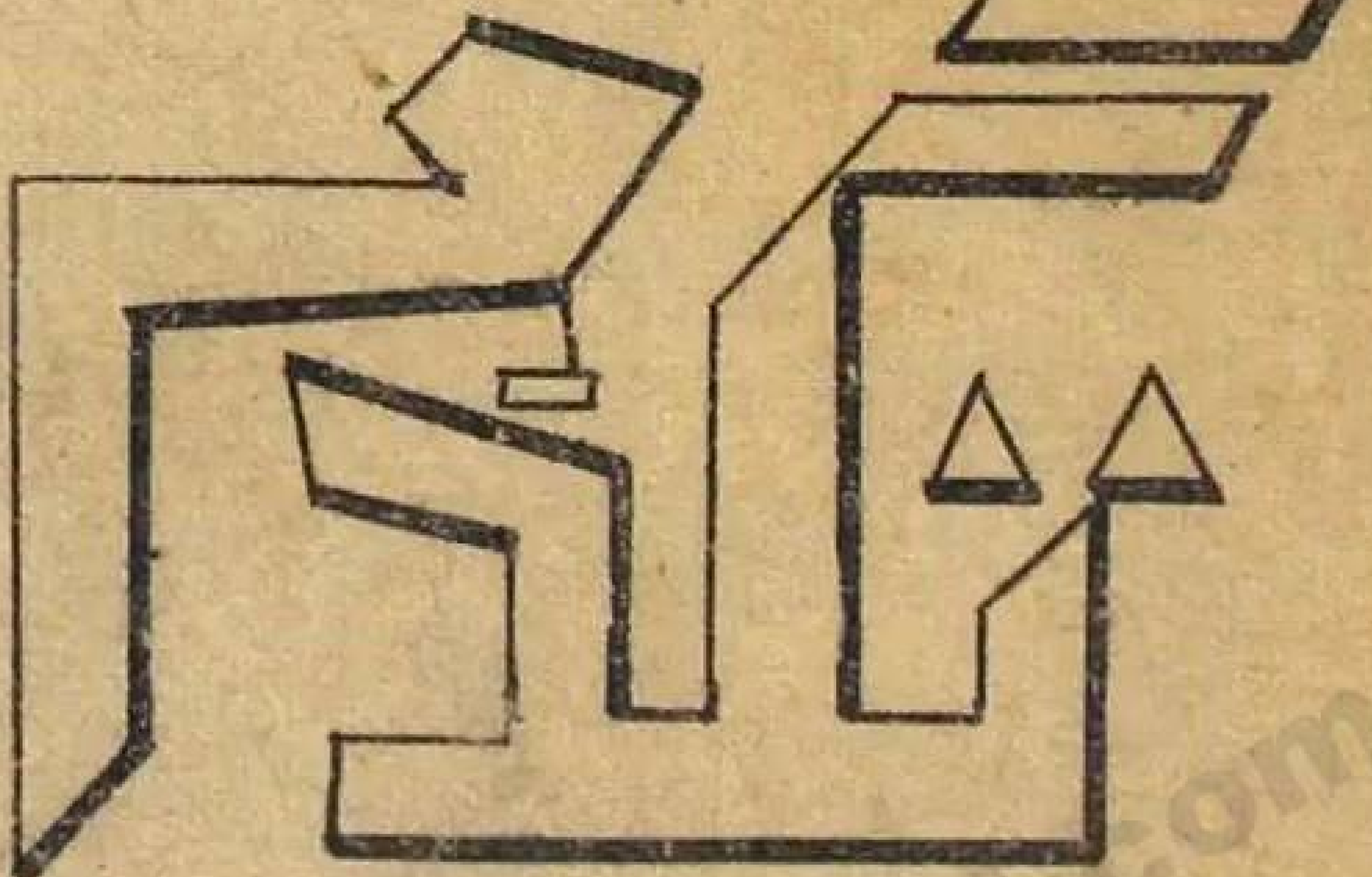


وہی وہانوی

جملہ حقوق دائمی طور پر مکتبہ شباب اُردو لکھنؤ کے نام محفوظ ہیں!

قیمت مجلد ۱۴؎

ناشر

مکتبہ شباب اُردو لکھنؤ

پرنٹر سرفراز پریس ——— بار دوم مارچ ۴۲ء

ترقی پسند ادب کا معیار خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کے متعلق عوام کی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج کل اس نام سے جو ادب پیش کیا جا رہا ہے اس میں اور فحش نگاری میں کوئی فرق نہیں اور اگر ہے بھی تو اسی قدر جس قدر اردو ہندی اور ہندوستانی میں ہے۔ یعنی ایک ہی عبارت کو اگر فارسی رسم الخط میں لکھا جائے تو اُردو ہو جائے، اور دیوناگری رسم الخط میں لکھی جائے تو ہندی کہلائے، ترقی پسند ادیب خواہ ادب برائے ادب کے نعرے بلند کریں یا ادب برائے زندگی کی رٹ لگائیں لیکن وہ جو کچھ لکھتے ہیں وہ صرف ادب برائے جوانی ہے اس میں تعمیری یا اصلاحی پہلو کی بجائے تخریبی عنصر غالب ہوتا ہے۔

اس فحش نگاری سے ایسے لکھنے والوں کا مقصد صرف نوک قلم سے صفحہ قرطاس پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنا ہوتا ہے۔ کالی شلوار پہن کر یا لحاف اوڑھ کر ٹھنڈے گوشت میں گرمی نہیں پیدا کی جا سکتی۔ ایسے افراد پر اس کبڑے کی مثال صادق آتی ہے جو اپنی ہی طرح ہر انسان کو کبڑا دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی واقعہ کو من و عن اسی طرح بیان کر دینا جس طرح وہ ظہور میں آیا ہو کوئی کمال نہیں لیکن اس سے تعمیری اور اصلاحی پہلو نکالنا ایک آرٹ ہے اور یہ آرٹ حضرت وہی وہانوی کی تحریر میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

وہی وہانوی ان ادیبوں میں سے نہیں ہیں جو ریڈیو، فلم یا غیر معیاری اور عامیانہ مذاق کے رسائل و جرائد میں الٹا سیدھا لکھ کر اہل قلم بن گئے ہوں وہ سنجیدہ

طبیعت کے ایک کہنہ مشق ادیب ہیں۔ جب ترقی پسند ادب نے گھٹنوں چلنا بھی نہیں سیکھا تھا اس وقت بھی وہ ایک مستند ادیب کی حیثیت رکھتے تھے اور بیسیوں نوآموز افسانہ نگار جو آجکل ترقی پسند ادب کے ستون تصور کئے جا رہے ہیں ان سے اصلاح لینے آیا کرتے تھے۔ روزمرّہ کے واقعات کی الفاظ میں تصویر کھینچ دینا حضرت وہی وہانوی کی خصوصیات میں شامل ہے۔ ان کا نوک قلم ہمیشہ سماج کے رستے ہوئے ناسوروں کو چھیڑ کر فاسد خون نکالتا ہے۔

زیر نظر کتاب تگڈم میں بھی انھوں نے ایک ایسے ہی خاندان کے حالات پیش کئے ہیں اور اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر یہ دکھایا ہے کہ والدین کے کردار کا اولاد پر کیا اثر پڑتا ہے اور اگر ایسے افراد کو چھوڑ کر ان میں شعور اور سنبھلنے کی صلاحیت پیدا کرائی جائے تو کس حد تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ زہر کو زہر کی حیثیت سے کسی تندرست انسان کو کھلا کر ہلاک کر دینا کوئی مشکل نہیں لیکن زہر کو تریاق بنا کر کسی مرتے ہوئے انسان کو کھلا دینا اور بچا لینا ہر طبیب کے بس کی بات نہیں۔ حضرت وہی وہانوی کے افسانے خواہ کتنے ہی عریاں کیوں نہ ہوں لیکن ان میں اصلاحی پہلو ہوتا ہے ان کے افسانے عریاں نگاری نہیں بلکہ متنبہ اور مفید ہدایات کے تاروپود ہوتے ہیں ــــ بالکل ایسے ہی جیسے طبی کتب کے اسباق تگڈم والدین کے لئے ایک تازیانہ ہے اور نوجوانوں کے لئے مشعل راہ اور اس دور ترقی میں جبکہ عریانی اور فحاشی عام ہو گئی ہے اس کی اصلاح ایسی ہی کتابوں سے ہو سکتی ہے مجھے یقین ہے کہ جناب وہی وہانوی کی یہ اصلاحی تصنیف انکی شہرت میں چار چاند لگا دیگی۔

تماشائی۔ لکھنؤ۔ ۱۶ مارچ ۵۱ء

اسٹیشن سے باہر آتے ہی اونچی اونچی عمارتیں سڑکوں پر موٹر، لاری، رکشے، ٹانگے، سائکلیں اور ہر طرف اژدھام دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں سڑکوں کے دونوں کناروں پر دور تک خوانچہ فروشوں اور ٹکڑی کی گمٹیوں کی قطاریں چلی گئی تھیں۔ ہر سڑک پر انسانوں کا سیلاب نظر آرہا تھا۔ کتابوں میں پڑھا تھا کہ بڑے شہروں میں راستہ چلتے شانے سے شانہ چھلتا ہے آج لکھنؤ میں وہی منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی میلہ لگا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ چہل پہل تھی۔ سامنے یکوں کی قطاریں تھیں، میں ان کے درمیان سے گذرتا ہوا بڑی سڑک پر پہونچ گیا۔

گھر سے جو کچھ لے چلا تھا اس کی آخری اکنی بھی آج چائے پی کر ختم کر دی تھی، اور جیب بالکل تہی تھا اور لکھنؤ جیسا وسیع شہر، جہاں میں بالکل نووارد تھا، نہ کسی سے جان نہ پہچان اور نہ شہر سے واقفیت میں نے عالم یاس میں چاروں طرف نگاہ ڈالی مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک نوجوان ایک ٹانگہ کے قریب کھڑا ہوا اسٹیشن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے اس کے قریب پہونچا اور ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔

"فرمایئے مولانا ——— آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔ نوجوان نے کچھ عجیب انداز میں پوچھا۔

"صاحب میں غریب الوطن ہوں ——— یہاں ملازمت کی تلاش میں آیا ہوں"۔

"——— میرے دوست! ———" نوجوان نے ہمدردانہ لہجہ میں جواب دیا۔

"میں غریب الوطن ہوں ——— اگر تم بریلی میں ملتے تو یقیناً کہیں نہ کہیں ملازمت دلا دیتا ——— بہرحال میں سنٹرل ہوٹل میں مقیم ہوں ریاض نام ہے۔ اگر وقت ملے تو آکر دیکھ لینا شاید میں کچھ کر سکوں ———"

"بہتر ہے ———" میں نے چارخانے کی سوتی چادر اپنی گردن کے گرد لپیٹ لی اور بغیر کسی ارادے کے آگے بڑھا۔ سامنے ایک قطار میں کاریں کھڑی ہوئی تھیں ان کاروں سے کچھ ہی فاصلے پر ایک شخص خاکی پتلون پہنے اور ہاتھ میں ایک لمبا ڈنڈا لئے کھڑا ہوا مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے گدھ مردہ مویشی کو دیکھتا ہے ——— میں جیسے ہی اس کے قریب سے گذرا اس نے مجھے آواز دی۔

"او نوجوان ——— سنو تو بھیا ———"

میں کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا، وہ میرے قریب آگیا اور مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولا نوکری کرو گے ———؟"

"آیا تو اسی لئے ہوں ———" میں نے جواب دیا۔

فوج کی نوکری ——— اچھی تنخواہ ملے گی ——— سرکار کی طرف سے کھانا

اور کپڑا مفت چھٹیاں بھی ملیں گی اور ریل کا پاس بھی ——— ملکوں ملکوں کی سیر کرو گے۔ کپتان بن جاؤ گے کچھ دنوں میں"!

میں کچھ سوچنے لگا۔ والدہ نے چلتے وقت کہہ دیا تھا کہ حتی الامکان فوج میں نہ بھرتی ہونا۔

مجھے خاموش دیکھ کر اس شخص نے کہا "کیا سوچ رہے ہو — آجکل ہزاروں آدمی بھرتی کے لئے آتے ہیں بڑے بڑے اونچے گھرانوں کے لڑکے آکر بھرتی ہو رہے ہیں ———"

میں نے اس سے پوچھا "کیا اسی وقت ملازمت مل جائے گی"!

فوراً ——— ابھی چلو ابھی ملازمت بھی دلوا دوں گا اور اسی وقت پیسے بھی تنخواہ بھی ——— آؤ ——— میرے ساتھ چلو ———"

میں اس کے ساتھ ہو لیا، سامنے ایک پارک نما میدان میں چند خیمے نصب تھے ان کے سامنے دس بارہ آدمی ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ اس شخص نے مجھ کو اسی جگہ کھڑا کر دیا اور خود اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے خیمہ کے اندر سے نکل کر مجھے اشارے سے بلایا اور میرا نام پوچھ کر فیصل آنار نے کو کہا۔ ایک دوسرے شخص نے میرا قد اور سینہ ناپا اور میرے سینہ پر کچھ لکھ کر چلا گیا۔

جو شخص مجھے لایا تھا وہ پھر میرے پاس آیا اور مجھے ایک بابو کے پاس لے گیا۔ بابو نے سر سے پیر تک مجھ کو دیکھ کر پوچھا "نام ———"؟

"سہراب خاں ———"

"باپ کا نام ———"؟

"محراب خاں

"یار ہونا تو چاہیئے تھا رستم خاں ــــ" بابو نے ہنس کر کہا۔
لیکن قافیے اور ردیف میں فرق آجاتا"۔
بابو نے خود ہی لکھنا شروع کیا۔" قوم پٹھان ساکن
اس نے مجھ سے دریافت کیا۔
"دیوریا "۔ میں نے پورا پتہ بتاتے ہوئے کہا۔
"سینہ "؟
"۳۶ انچ "ایک چپراسی نے کہا۔
"وزن ایک من ۳۰ سیر قد ۵ فٹ ۱۱ انچ عمر تقریباً ۲۲ سال"
"جی نہیں، میں فوراً" بول اٹھا ۲۰ سال جولائی میں پورے
۲۰ سال ہو جائیں گے "

اسی وقت ایک دوسرا بابو خیمے میں داخل ہوا اور لکھنے والے بابو سے کہا
"آج منیجر صاحب نہیں آئیں گے"؟
" لیکن آدمی تو کافی آچکے ہیں پہلے بابو
نے کہا۔
"کل بلاؤ "
بابو نے مجھے مخاطب کر کے کہا" سہراب خاں قمیض پہن لو ــــ آج
صاحب نہیں آئیں گے"؟
میں نے مایوسی کے عالم میں اس شخص کی طرف دیکھا جو مجھے پہلے لایا تھا۔ وہ میرے

پاس آگیا اور بولا۔

سہراب خاں گھبراؤ نہیں ـــــــ کل تم ضرور ملازم ہو جاؤ گے"۔

بابو نے بھی مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا" سہراب خاں میں وعدہ کرتا ہوں کل صاحب سے کہہ کر تم کو ضرور رکھ لوں گا ـــــــ تم اطمینان رکھو"۔

میں قمیض پہن باہر آگیا۔ باہر کھڑے ہوئے امیدوار بھی جا رہے تھے۔ میں بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چلا۔ اسٹیشن سے باہر سڑک کے کنارے ایک چھوٹا ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے قریب ہی ایک شخص سوٹ پہنے کھڑا ہوا اسٹیشن کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کا منتظر ہے۔

میں اس کی طرف بڑھا بھوک بھی معلوم ہو رہی تھی اور پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس لئے میں اس شہر میں بالکل اجنبی تھا اور راستہ میں ٹرین پر ایک شخص نے مجھے بتایا تھا کہ فوج کے علاوہ دوسری ملازمت ملنا دشوار ہے۔ میرے استفسار پر اس شخص نے یہ بھی بتایا تھا کہ فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں انسان میں صرف وہی خصوصیات ہونا چاہئیں جو ایک قربانی کے جانور کے لئے ہوتی ہیں یعنی وہ بالغ اور تندرست ہو جسم کا کوئی عضو کٹا یا ناکارہ نہ ہو۔ کسی قسم کی علنی یا جلدی بیماری نہ ہو اور جسم پر کوئی تازہ زخم نہ ہو۔

میں ان نقائص سے پاک تھا لیکن میری بدقسمتی کی یہ انتہا تھی کہ اس روز بھرتی کرنے والا افسر نہیں آیا ـــــــ میں نے اس شخص کے قریب پہونچ کر سلام کیا۔

اس نے اپنی معجبی بھویں مروڑتے ہوئے سخت لہجہ میں پوچھا" کیا ہے"

"حضور میں ملازمت چاہتا ہوں"۔

یہاں ملازمت نہیں ہے ——— اور کہیں جا کر تلاش کرو"۔

میں نے اس کو مایوسانہ نگاہوں سے دیکھا اور چلنے ہی والا تھا کہ اس نے میری طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر بولا۔

"کیا کام کرتے ہو ———؟"

"جو مل جائے ———"

"کہاں کے رہنے والے ہو ———"

"دیوریا ———"

"ہوں ———" اس نے قدرے تیز لہجہ میں کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا کہ وہ اس کے دل میں رحم ڈال دے۔

مجھے اپنا نہیں بلکہ اپنی بوڑھی ماں اور بیوہ بہن کا خیال پریشان کئے ہوئے تھا جنھیں میں فاقہ مستی کی حالت میں گھر میں چھوڑ آیا تھا، والد کے انتقال کے بعد کسی طرح کٹائی پسائی اور سلائی کر کے میری ماں نے مجھے اُردو مڈل تک تعلیم دلائی تھی، اب وہ ضعیفی کے باعث کوئی کام نہ کر سکتی تھیں۔ شوہر اور داماد کے اچانک انتقال نے انھیں قبل از وقت بوڑھا کر دیا تھا۔

دنیا میں بظاہر اس بوڑھی ماں اور بیوہ بہن کا میرے سوا کوئی سہارا نہ تھا۔ دیہات میں ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے انھیں چھوڑ کر شہر آ گیا تھا۔

اس شخص نے ایک ساعت بعد کہا۔" اچھا ٹرک پر بیٹھ جاؤ ———

میں ٹھیکہ دار صاحب کے پاس لے چلوں گا ——— اگر ان کو ضرورت ہوئی تو رکھ لئے جاؤ گے "

اس کے اشارے پر ٹرک کے پچھلے حصہ میں بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک شخص اسٹیشن کی طرف سے آیا اور دونوں ٹرک کے اگلے حصہ پر بیٹھ گئے۔ اس شخص شائد اسی کا انتظار تھا کیونکہ ٹرک فوراً ہی روانہ ہوگئی اور چکنی سیاہ سڑکوں پر دوڑتی ہوئی کچھ دیر بعد ایک کوٹھی میں داخل ہوئی۔

میں نیچے اترا جو صاحب مجھ کو لائے تھے وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر اترکر اندر چلے گئے اور تقریباً نصف گھنٹہ بعد ایک دوسرے صاحب کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے نکلے، اور مجھے دیکھتے ہی دوسرے صاحب سے کہنے لگے۔

"میں اسے اسٹیشن سے لایا ہوں ——— مجھو کی جگہ مناسب ہے گا اگر آپ حکم دیں تو رکھ لیا جائے"۔

انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا ——— "کیا نام ہے تمھارا ———؟"

"سہراب خاں ———"

کہاں کے رہنے والے ہو ———؟"

"ضلع دیوریا ———"

کچھ پڑھنا لکھنا بھی جانتے ہو ———"

"جی ہاں اُردو مڈل پاس ہوں اور انگریزی کے حروف ۔ بھی پہچانتا ہوں ———"

پورٹیکو کے باہر ایک شاندار کار کھڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے کار کی طرف

بڑھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بیٹھو ——— آکر بتاؤں گا ———"

دو چار قدم آگے بڑھے لیکن کچھ سوچ کر ٹھہر گئے اور ایک ملازم کو بلا کر اس سے کہا ——— "دیکھو یہ ابھی مینجر صاحب کے ساتھ آئے ہیں ——— ان کو کھانا کھلاؤ ——— میں آکر باتیں کروں گا ———"

ٹھیکہ دار صاحب کی رحم دلی اور ہم دردی سے مجھے کچھ ڈھارس ہوئی وہ ملازم مجھے اپنے ساتھ کوٹھی کے دوسرے حصہ میں شاگرد پیشہ کی طرف لے گیا۔

املی کے ایک گھنے درخت کے سایہ میں چبوترے پر ایک بڑے میاں تہبند باندھے بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ ملازم نے ان کے قریب پہونچ کر کہا: "رحیم خاں ان کو میاں نے بھیجا ہے ——— کھانا کھلا دینا ———"

میں رحیم خاں کے پاس بیٹھ گیا۔ رحیم خاں ٹھیکہ دار صاحب کے قدیم ملازم تھے مجھ سے بہت محبت سے پیش آئے اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا، انھیں سے مجھ کو معلوم ہوا کہ ٹھیکہ دار صاحب کا لکڑی کا کاروبار ہے، وہ نیپال کی ترائی میں جنگل کا ٹھیکہ لے کر لکڑیاں کٹواتے ہیں۔ اس کام کے لئے ان کے پاس سیکڑوں ملازم ہیں ان میں پڑھے لکھے لوگ بھی ہیں اور جاہل مزدور بھی۔

کچھ دیر تک رحیم خاں کے پاس بیٹھ کر میں پھر کوٹھی پورٹیکو میں آگیا اور ٹھیکہ دار صاحب کا انتظار کرنے لگا۔

وہ ایک بجے کے قریب آئے اور اندر چلے گئے۔ انکے ساتھ ایک نوجوان انگلو انڈین لڑکی بھی تھی۔ ان کے شریفانہ برتاؤ سے مجھے امید ہوگئی کہ وہ مجھے ضرور رکھ لیں گے۔

میں پورٹیکو میں ٹہلتا رہا اور تھک کر زینہ پر بیٹھ گیا منیجر صاحب جو مجھ کو وہاں لے گئے تھے وہ اسی وقت واپس جا چکے تھے۔

۳ بجے کے قریب میں نے ایک ملازم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیکہ دار صاحب آرام کر رہے ہیں ——— ۴ بجے تک اٹھیں گے۔

میں کھانے سے تو فارغ ہی ہو چکا تھا اس لئے اسی جگہ ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اپنی ضعیف ماں اور بیوہ بہن کے لئے مجھے ابھی کیا کیا کرنا ہے۔

۴ بجے کے قریب ایک ملازم نے آکر مجھ سے دریافت کیا "منیجر صاحب کے ساتھ کون آیا ہے ———؟"

"میں ہوں ———"

"صاحب نے تم کو ہی ٹھہرایا تھا ———؟"

"ہاں ———" میں کھڑا ہو گیا۔

"آؤ میرے ساتھ، صاحب بلا رہے ہیں ———"

میں اس ملازم کے ساتھ اندر گیا۔ ٹھیکہ دار صاحب اپنی خواب گاہ میں ایک مسہری پر لیٹے ہوئے تھے، اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک بنیان اور ایک تہبند تھا۔ ان کی عمر ۴۵ یا ۵۰ کے لگ بھگ تھی، گٹھا ہوا جسم مضبوط اعضا کھلتا ہوا رنگ دل کش خد و خال، طلائی پلائی اور عیش و آرام نے سُرخ و سفید بنا رکھا تھا، وہ مردانہ حسن کا اچھا نمونہ تھے۔

اس وقت وہ مسہری پر لیٹے ہوئے سگرٹ پی رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی

بولے" ——— ہاں جی ——— تو وہ تم ہی ہو ——— کیا
نام ہے تمہارا ——— ؟"

"سہراب خاں ———"

"بخت آور خاں صاحب کو جانتے ہو ——— ؟"

"جی ہاں مختار خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں"

"——— ہاں ——— اور مشتاق صاحب سے بھی
واقف ہو گے ——— ؟"

"جی سرکار ——— وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں"

اسی وقت رحیم خاں بھی آ گئے ٹھیکہ دار صاحب نے رحیم خاں سے کہا "رحیم خاں
——— منیجر صاحب ان کو لائے ہیں، اگر فجو کی جگہ رکھ لیا جائے تو کیا ہرج ہے"

کچھ نہیں میاں ——— "رحیم خاں نے جواب دیا
لیکن آجکل کوٹھی میں بھی ایک ملازم کی ضرورت ہے. خلیل کو اندر بھیج دیا
ہے ——— میرے خیال میں تو آپ ان کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لیں
بے چارہ سیدھا اور شریف معلوم ہوتا ہے"

بہتر ہے فجو کی جگہ حفیظ کو بھیج دو ——— وہ کل آ رہا ہے
اور ان کو یہاں کا کام سمجھا دو ———"

رحیم خاں نے مجھ سے کہا: "——— سہراب خاں آؤ میرے ساتھ ———
پہلے تم کو تمہاری کوٹھری دکھا دوں ——— بستر وغیرہ بھی ہے تمہارے
پاس ۔ ؟"

میں نے جواب دیا" ـــــ جی نہیں ـــــ صرف ایک چادر ہے"۔
ٹھیکہ دار صاحب نے رحیم خاں سے کہا" ان کو ایک پرانا کمبل دیدو ـــــ
بلکہ ایک نہیں دو ـــــ سردی کا زمانہ ہے اور اندر سے کوئی پرانی دری
منگوا دینا ـــــ"

میں رحیم خاں کے ساتھ شاگرد پیشہ میں آگیا، اپنی کوٹھری دیکھنے کے بعد جب میں رحیم خاں کے ساتھ واپس آکر چبوترے پر بیٹھا تو میں نے کہا۔

ٹھیکہ دار صاحب بہت شریف انسان ہیں۔ ان کی ہمدردانہ گفتگو نے مجھ کو موہ لیا ـــــ میں ان کے ان احسانات کو تمام عمر نہ بھولوں گا کہ انھوں نے اس بُرے وقت میں میری اعانت فرمائی۔

رحیم خاں نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

ـــــ ہیرا ہیں ہیرا ـــــ بہت اچھے خاندان کے ہیں بھیا ـــــ اور یوں تو پھر بے عیب ذات خدا کی ہے"۔

"بے شک ـــــ"

میں نے رحیم خاں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

رحیم خاں نے باتوں ہی باتوں میں کہا" ـــــ دیکھو میاں سہراب خاں بندگی بے چارگی مشہور ہے ـــــ ملازمت میں کبھی کبھی دو چار ایڑی پڑی بھی سننا پڑتی ہیں، اور مالک کو خوش رکھنے کے لئے اپنی مرضی کے خلاف بھی چلنا پڑتا ہے ـــــ لہذا اگر نوکری کرتا ہے تو ان باتوں کا خیال رکھنا ـــــ،

میں نے رحیم خاں سے وعدہ کر لیا کہ ان کے کہنے پر عمل کروں گا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ رحیم خاں صاحب نے بھی ٹھیکہ دار صاحب سے اچھے الفاظ میں میری سفارش کی تھی اور ہم دردی کے ساتھ پیش آ رہے تھے۔ اس لئے میں نے ان کو چچا کہنا شروع کر دیا تھا۔

اس روز شام کو ٹھیکہ دار صاحب کہیں مدعو تھے اس لئے میں رحیم خاں کے پاس ہی بیٹھا رہا۔

صرف ۱۰ بجے کے قریب ٹھیکہ دار صاحب کے کمرے میں گیا اور رحیم خاں کی ہدایت کے بموجب چند ضروری چیزیں رکھ کر چلا آیا۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت جب ٹھیکہ دار صاحب کہیں سے واپس آئے تو ان کے ہمراہ وہی اینگلو انڈین لڑکی تھی جسے میں ایک روز قبل دیکھ چکا تھا۔

وہ ان کے ساتھ اندر چلی گئی۔ اس وقت میں اور ایک دوسرا ملازم سلیم موجود تھے۔

کچھ دیر بعد سلیم نے مجھے ان کے کمرے میں برف پہونچانے کے لئے کہا۔

جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا مجھے ایک عجیب قسم کی بو محسوس ہوئی اور اگرچہ اس سے قبل میں اس بو سے ناواقف تھا لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ شراب کی بو ہے۔

میز پر برف کی پلیٹ رکھ کر واپس آ گیا اور سلیم سے دریافت

کرنے کا ارادہ کیا لیکن فوراً رحیم خاں کو نصیحت یاد آ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد میں پھر کسی ضرورت سے بلایا گیا۔ اور ٹھیکیدار صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"سہراب دیکھو تم برآمدے میں موجود رہو، جب میں گھنٹی بجاؤں تو فوراً میرے پاس آؤ ــــ سلیم سے کہدو وہ جائے اس کی ضرورت نہیں"۔

میں نے کہا "بہت بہتر حضور"۔

اس وقت ٹھیکیدار صاحب کے پاس وہی فرنگی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اور ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ عام اینگلو انڈین لڑکیوں سے زیادہ خوبصورت اور تندرست تھی اور سن بھی زیادہ نہ تھا، یہی کوئی ۱۸ یا ۲۰ برس کی ہوگی۔ اس نے مجھے دیکھ کر ٹھیکہ دار صاحب سے انگریزی میں کچھ دریافت کیا اور پھر مجھے دیکھنے لگی۔ میں باہر آ گیا اور سلیم سے کہہ دیا کہ وہ جائے۔

تقریباً نصف گھنٹہ بعد گھنٹی بجی اور میں اندر پہونچا، تو صرف اسی لڑکی کو صوفے پر بیٹھے ہوئے پایا۔

وہ اس وقت ایک عجیب سا ریشمی لباس پہنے تھی جو کافی لمبا تھا! اس لباس کا گلا اتنا بڑا تھا کہ اس کے سینہ کا ابھار نصف کے قریب باہر نکلا ہوا تھا۔

اس کے سنہرے بال بے ترتیبی کے ساتھ چہرے پر بکھرے ہوئے تھے جن کو وہ ہاتھ سے درست کر رہی تھی۔ اور پہلے کی نسبت اب وہ کچھ اجڑی اجڑی سی نظر آ رہی تھی۔

ابھی میں اس تبدیلی پر ٹھیک سے غور بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس نے مجھے

مخاطب کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"سہراب کھان ـــــ ٹوم امارا واسطے ایک سوڈا لائے گا۔"

میں نے اتنی حسین عورت کو اس انداز میں آج تک نہ دیکھا تھا۔ دل چاہا کہ بے ساختہ اسے پیار کر لوں۔ اس سے لپٹ جاؤں۔ لیکن فوراً ہی مجھے اپنی کمتری کا احساس ہو گیا، اور میں یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

"ابھی لایا سرکار ـــــ" اور فوراً ہی سوڈا لے جا کر میز پر رکھ دیا، ٹھیکہ دار صاحب اسی وقت غسل خانہ سے منہ دھو کر نکلے اور میں باہر آ گیا۔

وہ لڑکی کھانا کھا کر اسی طرف سے کہیں چلی گئی، دوپہر کے کھانے کے بعد جب ٹھیکہ دار صاحب سو گئے تو میں اپنی کوٹھری میں پہونچا۔ چچا رحیم خاں شاید میرے ہی منتظر تھے، وہ بیچارے میرے حال پر بہت مہربان تھے، اور میری وجہ سے ابتک کھانا نہیں کھایا تھا، مجھے بلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور ہم دونوں چبوترے پر آ کر بیٹھ گئے۔

وہ حقہ پینے لگے میں نے چاروں طرف دیکھ کر رحیم خاں سے باتوں ہی باتوں میں دریافت کیا۔

"چچا کیا ٹھیکہ دار صاحب کے بال بچے نہیں ہیں؟"

ہیں کیوں نہیں بھیا ـــــ لیکن صرف تین لڑکیاں ہیں ـــــ

بیگم صاحبہ کا انتقال ہو چکا ہے؟"

"وہ لوگ کسی دوسری کوٹھی میں رہتی ہیں کیا ـــــ؟"

زنان خانہ میں ـــــ" رحیم خاں جواب دیا" وہ سامنے باغ کے

پیچھے اسی احاطہ میں جو دو منزلہ کوٹھی نظر آ رہی ہے وہ زنان خانہ ہے ——
—— وہ پھر حقے کے کش لینے لگے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کیوں چچا —— یہ فرنگن لڑکی کون ہے؟"

چچا رحیم خاں میری طرف دیکھے بغیر مسکرائے اور ایک کش لیکر منہ سے دھواں نکالتے ہوئے بولے۔

"بڑی سرکار کی سہیلی ہے ——"

"بڑی سرکار ——؟"

"ہاں بڑی بیٹا —— یعنی بلقیس کی سہیلی ہیں ——"

رحیم خاں نے حقے کی نے منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"سہراب انسان کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے —— تم یہاں بہت سی نئی باتیں دیکھو اور سنو گے لیکن ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنا"

میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔

رات کو ٹھیکہ دار صاحب کار سے اترے تو بہت نشہ میں تھے، قدم ڈگمگاتے تھے کہیں اور پڑتا تھا کہیں۔ میں نے لپک کر پورٹیکو میں ان کو سنبھالا، اس وقت اُن کے ساتھ ایک دوسری نوجوان عورت تھی۔ کوئی بیس بائیس سال کا سن، قدرے کھلتا ہوا رنگ —— اچھا ناک نقشہ —— وہ جارجٹ کی گلابی ساری باندھے ہوئے تھی اور اس پر ایک سرخ گرم کوٹ پہنے تھی۔

میں نے کسی نہ کسی طرح ٹھیکہ دار صاحب کو سہارا دے کر ان کی خوابگاہ میں پہونچادیا۔ وہ عورت بھی سہارا دیتے ہوئے تھی، اس وقت رحیم خاں بھی آگئے تھے انھوں نے آتے ہی مجھ سے کہا۔

"سہراب خاں تم جاؤ ——— آرام کرو ——— میں یہاں کی دیکھ بھال کرلوں گا۔

میں چلا گیا اور وہ اپنی کوٹھری میں پہونچ کر ٹھیکہ دار صاحب کے متعلق غور کرنے لگا، کس قدر شریف اور رحم دل انسان تھے، طبیعت میں کبر و نخوت کا شائبہ تک نہ تھا لیکن ان کے ذاتی کردار کا خیال آتے ہی مجھے الجھن ہونے لگی۔ اور میں اپنی کوٹھری سے باہر نکل کر میدان میں ٹہلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد چچا رحیم خاں واپس آئے مجھے باہر ٹہلتا ہوا دیکھ کر اپنی کوٹھری میں جانے کے بجائے میرے پاس آگئے اور پوچھنے لگے۔

"——— کیوں کیا بات ہے ——— یہاں کیوں ٹہل رہے ہو ———"

میں نے ان کی طرف دیکھ کر اور کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "چچا یہاں کی باتیں دیکھ کر تو میری عجیب حالت ہوئی جارہی ہے ———"

آج پہلا دن ہے ——— رفتہ رفتہ عادی ہوجاؤ گے، یہ شہر ہے بھیا، بڑے آدمی سب اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں"۔

میں نے پوچھا "——— اور یہ عورت کون تھی ———"

کیا کرو گے پوچھ کر یہاں تو روزانہ ایسی بیسیوں آیا کرتی ہیں ———

تم ملازمت کرنے آئے ہو، اپنے کام سے کام رکھو، آم کھانے سے مطلب پیڑ گننے سے کیا فائدہ"!

"مجھے دکھ ہوتا ہے چچا"۔ میں نے ہم دردانہ لہجہ میں کہا" اس قدر شریف اور بڑے آدمی ہوتے ہوئے بھی وہ ایسی باتیں کرتے ہیں، شادی کیوں نہیں کر لیتے"۔

"مجھ سے کیا کہہ رہے ہو ——— رحیم خاں نے میرے ساتھ میری کوٹھری میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"میری گود یوں کے کھلائے ہوئے ہیں ——— باپ نے ولایت بھیجا وہاں سے پورے انگریز ہو کر لوٹے ——— اور باپ کے انتقال کے بعد گھر کے گھر کو انگریز بنا ڈالا ——— بس اب کیا بتاؤں کیا حالت ہے ——— خدا اپنا رحم کرے ——— ان کے والد کے زمانے سے ہوں، مرحوم کہہ کر مرے تھے کہ رحیم خاں زندگی میں ان کا ساتھ نہ چھوڑنا ——— بس اسی کو نبھا رہا ہوں، ورنہ یہاں کے طور طریقے دیکھ کر ایک منٹ کے لئے ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا ہے ——— ہر بات میں انگریزوں کی نقل ——— ہر کام میں انگریزوں کی نقل ——— قدم قدم پر انگریزوں کی نقل

کل سے آج تک تم نے اندازہ لگایا ہوگا"

یہ تو بڑی بُری بات ہے چچا ——— شراب اور آوارہ عورتیں"۔ رحیم خاں فوراً بول اُٹھے۔" بیوی بے چاری تو خود ہی اسی غم میں گھل گھل کر مر گئی۔ گائے تھی گائے۔ ایسی شریف کہ خود صاحب آج تک اس کی یاد میں

آنسو بہاتے ہیں"۔

——— لیکن حرکتیں یہ ہیں"۔

رحیم خاں نے کہا "بیوی کے انتقال کے بعد سے تو اور زیادہ کھیل کھیلے ہیں خدا اپنا رحم کرے ———"

میں نے کہا "چچا ان حالات میں یہاں میرا رہنا تو ناممکن نظر آرہا ہے"۔

"یہ تمہاری حماقت ہے۔ تم کو اپنے پیسوں سے مطلب ہے کام کرو تنخواہ لو، یہ دنیا ہے، تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے"۔

"——— لیکن میں ان باتوں کا عادی نہیں"۔

"تو کیا میں عادی تھا ———" رحیم خاں نے کہا۔

"——— حالات انسان کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں"۔

رحیم خاں کو مجھ سے دلی ہمدردی تھی اس لئے وہ مجھے بہت دیر تک سمجھاتے رہے۔ میں بھی پریشان حال تھا۔ علاوہ ازیں ٹھیکہ دار صاحب کا اخلاق بھی بہت اچھا تھا، اس لئے میں نے خود کو اس ماحول کا عادی بنانے کی کوشش شروع کردی اور دو چار روز ہی میں بہت حد تک ان کی طبیعت سے واقف ہوگیا، وہ صبح سے ۱۱ بجے تک اپنے دفتر میں بیٹھتے تھے یا کاروباری ضرورتوں کے ماتحت جہاں کہیں بھی جانا ہوتا تھا جاتے تھے۔ ایک بجے کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتے تھے۔ شام کو چند دوستوں کے ساتھ کلب جاتے تھے۔ اور عموماً کلب ہی سے شراب پینا شروع کر دیتے تھے

روز رات کے کھانے پر دو ایک نوجوان عورتیں ضرور ہوتی تھیں.

اینگلو انڈین لڑکی دوسرے تیسرے دوپہر کو آتی تھی، اس کا نام ایڈنا تھا. وہ اب مجھ سے بھی قدرے بے تکلف ہو گئی تھی. ٹھیکہ دار صاحب بھی مجھ سے بہت خوش تھے.

پندرہ بیس روز بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ہوا یہ کہ اس روز ٹھیکہ دار صاحب شام کو کلب نہیں گئے، ۶ بجے کے قریب کار پر ایک ۱۸ سالہ لڑکی آئی اس سے قبل میں نے اس کو نہیں دیکھا تھا.

اب تک اس کوٹھی میں میں نے جس قدر عورتیں دیکھی تھیں. وہ ان سب سے زیادہ حسین تھی. ٹھیکہ دار صاحب کو شاید اسی کا انتظار تھا اسلئے اس کے پہونچتے ہی شراب کا دور چلنے لگا.

میں نے ضرورت کی ہر چیز ان کے مخصوص کمرے میں پہونچا دی تھی، ۸ بجے کے قریب گھنٹی بجی اور جب میں کمرے میں پہونچا تو میاں کو غسلخانہ کی طرف جاتا ہوا دیکھا، وہ لڑکی صوفے پر تھی، لیکن اس عالم میں کہ ساری جسم پر بندھی ہونے کے بجائے دوسری کرسی پر پڑی ہوئی تھی اور پیٹی کوٹ اس طرح کمر اور پشت کے نیچے دبا ہوا تھا، کہ اس کا عدم وجود برابر ہو رہا تھا اور آنکھیں بند کئے ہوئے پڑی تھی، میں فوراً الٹے پاؤں لاحول پڑھتا ہوا باہر آگیا،

چند منٹ بعد پھر گھنٹی بجی ——— میں پھر کمرے میں داخل ہوا. میاں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"سہراب خاں اس کو مسہری پر لٹا دو ——"

میں اس لڑکی کی طرف بڑھا لیکن اس کے پاس پہونچ کر قدرے جھجکا۔ وہ ابھی تک اسی طرح عریاں پڑی ہوئی تھی،

صاحب نے کہا "—— اٹھاؤ —— کیسے جوان ہو —— ایک لڑکی تک کو نہیں اٹھا سکتے ہو ——" صاحب کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

جی میں تو آیا کہ کہہ دوں کہ میاں میں ایسی نوکری سے باز آیا، لیکن پھر رحیم خاں کی نصیحت یاد آگئی، اور میں نے دل کڑا کر کے اس کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لیا جیسے ہی میں سیدھا ہوا اس نے آنکھیں کھولکر دیکھا اور میرے گلے میں باہیں ڈال دیں ٹھیکہ دار صاحب کرسی کی پشت کا سہارا لے کر سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لڑکی کے منہ سے بھی شراب کا بھپکا نکل رہا تھا۔

ناگوار خوشبو کے باوجود میں اسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھا کر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا، ایسی کیفیت جو آج تک میں نے محسوس نہ کی تھی۔ میرے جسم کی تمام رگیں تن گئی تھیں اور میں جیسے اپنے حواس کھوئے دے رہا تھا۔ یہ حسین اور نوجوان عریاں لڑکی بہشت کی حور معلوم ہو رہی تھی۔ جو میرے ہاتھوں پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے بال منتشر ہو کر زمین تک لٹک رہے تھے۔ دل چاہا کہ اسے لپٹا کر پیار کروں، لیکن صاحب کی موجودگی میں یہ ارادہ شرمندۂ عمل نہ ہو سکا۔

میں نے دوسری طرف منہ گھمالیا اور مہری کے پاس لیجا کر اس کو پلنگ پر لٹانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کو قے ہوگئی، اور میری قمیص پائجامہ، مہری کا بستر اور فرش کی دری تک خراب ہوگئی۔

میں نے گھبرا کر اس کو زبردستی مہری پر ڈال دیا۔ صاحب میرے قریب آگئے اور زبان سے کچھ کہنے کے بجائے اشارے سے مجھ سے اس کی پشت سہلانے کو کہا۔

قے ہوجانے کے بعد شراب کی بدبو سے میرا دماغ پھٹا جارہا تھا اور خود میرے کپڑے خراب ہوچکے تھے۔ لیکن "بندگی بیچارگی" مجبوراً میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ لڑکی نے کروٹ لی اور پٹی سے نیچے فرش کی طرف منہ کیا ہی تھا کہ پھر ایک قے ہوئی اور میرے اوپر چھینٹیں پڑیں۔ لیکن میں اس کی پشت سہلاتا رہا۔ اور پشت سہلاتے ہوئے ایک نئی دنیا میں پہنچ گیا۔

صاحب نے ایک گلاس میں پانی لے کر اس کو پلایا۔ اس کو پے در پے چار پانچ استفراغ ہوئے اور وہ کلّی کرتے ہی مہری پر بے دم ہوکر چاروں شانے چت گر پڑی۔

میں نے الماری سے چادر نکال کر بستر کی چادر بدلی۔ لڑکی کو اس پر لٹا کر ایک چادر اس پر ڈال دی اور مہتر کو بلا کر فرش کی دری باہر نکلوا کر دوسری دری بچھوائی۔ اگالدان صاف کرایا اور صاحب کی ضرورت کی ہر چیز کمرے میں رکھ کر شاگرد پیشہ میں آکر رحیم خاں کو آواز دی، وہ اپنی کوٹھری سے باہر نکلے، میں نے ان سے کل واقعہ بتلایا اور اپنے کپڑے دکھائے۔

رحیم خاں نے فوراً مجھے ایک قمیض اور ایک پائجامہ لاکر دیا اور غسل کیلئے باورچی خانہ سے گرم پانی منگوایا۔

میں غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر جب دوبارہ اپنی کوٹھری میں آیا تو رحیم خاں کو بلاکر کہا۔

"چچا، اب حالات میرے لئے ناقابل برداشت ہوگئے ہیں۔ ایسی نوکری سے فاقوں مرجانا بدرجہا بہتر ہوتا ہے ——"

ٹھیک کہتے ہو ——" انھوں نے سمجھاتے ہوئے کہا "—— لیکن تم اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے نوکری کر رہے ہو —— اپنی ضعیف ماں اور بیوہ بہن کا خیال کرو جن کے لئے تم در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہو —— اور اس قسم کی ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو بڑا نازک زمانہ ہے، بھیا نوکری ملنا آسان نہیں۔

"یہ تو ٹھیک ہے چچا" میں نے جواب دیا "لیکن ذلت کی بھی ایک حد ہوا کرتی ہے ——"

میں اب تک شراب کی بو سے ناآشنا تھا لیکن یہاں آکر آج شراب سے نہا گیا —— میں نے آج تک کسی غیر عورت سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کی تھی لیکن یہاں ایک نوجوان عورت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھانا پڑا —— ایسی ذلیل زندگی سے تو موت بہتر ہے ——"

"بیٹا سہراب" چچا کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آگئے .. میں نے گھبرا کر کہا "چچا ——"؟

"بیٹا ــــ" انھوں نے اپنی حالت سنبھالتے ہوئے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک شریف خاندان کے لڑکے ہو ــــــــــ اور ایسی باتوں کے عادی نہیں ہو ــــــــــ لیکن اپنے حالات کو دیکھو۔ تم ہی اپنی ماں اور بہن کی زندگی کا سہارا ہو ــــــــــ وہ تمہارے ہی اوپر آس لگائے وہاں بیٹھی ہوں گی ــــــــــ"

میں نے کہا" فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا"!

"وہ اس سے بھی زیادہ ذلیل ہوتی ہے ــــــــــ میرا بھتیجہ فوج میں ہے پہلے تو شوق میں بھرتی ہو گیا تھا اب آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے۔ وہ جگہ بھی شریفوں کے لئے نہیں ــــــــــ"

میں خاموش ہو گیا۔ رحیم خاں مجھے دیر تک سمجھاتے رہے اس وقت غم و غصہ سے میری حالت غیر ہو رہی تھی اور میں اپنے وجود پر نفرت کر رہا تھا۔

رحیم خاں کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک اپنے بستر پر بیٹھا ہوا سوچتا رہا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور اسی ادھیڑ بن میں کھانا کھائے بغیر سو گیا۔

دوسرے روز علی الصباح ہی میں صاحب کے کمرے میں پہونچا صاحب نے مجھ کو بغیر آواز دیئے ہر وقت کمرے میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔

صاحب بیدار ہو چکے تھے اور غسل خانہ میں تھے۔ لیکن وہ لڑکی مادرزاد برہنہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی بے خبر سو رہی تھی۔

میں چائے کی ٹرے رکھ کر باہر آ گیا، ۷ بجے صاحب ناشتہ کر کے چلے گئے۔ وہ لڑکی بھی انھیں کے ساتھ چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد میں نے رحیم خاں سے کہا۔

"چچا اب تک تم نے مجھ پر جو کچھ احسانات کئے ہیں اور جس طرح مہربان رہے ہو، اس کے بار بار جتانے کی ضرورت نہیں ——— رحیم خاں ایک اور احسان کرو ———"

تم کیسی باتیں کر رہے ہو سہراب خاں ——— رحیم خاں نے کہا۔

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ انسان انسان کے کام آتا ہے ——— بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں"!

صاحب نے کوڑیالا گھاٹ میں بھی کام شروع کر دیا ہے ——— ان سے سفارش کر کے مجھے وہاں بھجوا دو ——— اب مجھ سے یہاں نہ رہا جائے گا"!

رحیم خاں نے کہا "بھجوا تو سکتا ہوں ——— لیکن وہاں عارضی طور پر کام شروع کیا گیا ہے ——— علاوہ ازیں وہاں تم کو بہت تکلیف ہو گی، نہ تو رہنے کا معقول انتظام ہے اور نہ کھانے کا"!

میں نے کہا "بہر حال بے کاری سے تو اچھا رہوں گا ——— یہاں میں ایک پل نہیں رہنا چاہتا ہوں"!

رحیم خاں کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر بولے "اچھا میں آج ہی

کوئی نہ کوئی بندوبست کرا دوں گا ــــــ"

۳

شام کو جب میں صاحب کی چائے لے کر ان کے کمرے میں گیا تو وہ لیٹے ہوئے سگرٹ پی رہے تھے، میں نے ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور جانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اُنھوں نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"سہراب خاں! میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں۔ تم بے عذر محنتی اور بہت شریف ہو ــــــ مجھے لڑکیوں کے لئے ایک ایسے ہی ملازم کی ضرورت تھی۔ آج رحیم خاں نے بھی تمہاری بہت تعریف کی اور مجھے یہی مشورہ دیا کہ تم کو زنان خانے میں بھیج دوں ــــــــــ بتاؤ وہاں رہو گے ــــــــــ یہاں میں نے ۲۰ روپیہ پر رکھا تھا وہاں ۲۵ ملیں گے ــــــ"

میں سمجھ گیا کہ رحیم خاں نے میاں کو راضی کر لیا ہے اور یہ سب انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اس ماحول سے تو دور ہو جاؤں گا۔ میں انھیں پہلوؤں پر غور کر رہا تھا کہ صاحب نے پوچھا۔

"کیوں کیا خیال ہے ــــــ جاؤ گے وہاں ــــــ"

میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی انتہائی بے تکلفانہ طریقے پر کمرے میں مسکراتی ہوئی داخل ہوئی اس کی عمر کوئی ۱۸ سال کی ہو گی۔ درمیانہ

قد، متناسب الاعضاء۔ گورا رنگ۔ دل کش خد و خال بڑی بڑی آنکھیں ——— وہ اس وقت سفید ساٹھن کی شلوار اور جمپر پہنے ہوئے تھی اور گلے میں سفید ہی دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔

میں نے اس سے قبل اس کو نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مجھے بغور دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی صاحب بول اُٹھے۔

"تو! وہ خود ہی آگئیں ——— یہ تمہاری بڑی سرکار ہیں۔ میری بڑی لڑکی بلقیس ———"

بلقیس سلام کرکے اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئیں۔ میں نے بھی ان کو سلام کیا۔ وہ مجھ کو متبسم نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔

صاحب نے کہا "ہاں میاں سہراب! تو اب یہ تمہارے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں۔ زنان خانے میں بس یہی تینوں بہنیں رہتی ہیں۔ ایک آیا بھی رہتی ہے وہ بھی تمہارا ہاتھ بٹائے گی۔"

بڑی سرکار نے کہا "ڈیڈی کی کوٹھی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارا باورچی خانہ تک علیحدہ ہے ——— اور یہاں سے اچھے وہاں کھانے پکتے ہیں۔"

صاحب ہنسنے لگے۔

میں نے کہا "میں آپ کا تابعدار ہوں ——— جو حکم دیجئے گا کروں گا ———"

بڑی سرکار نے کہا "تو بس تم اسی وقت سے وہاں چلو ———

کام زیادہ نہیں ہے"۔

"سرکار میں کام سے نہیں گھبراتا ہوں"۔

صاحب نے اپنی لڑکی سے کہا "یہ بہت محنتی اور بے عذر اور ایماندار ہے ——"

بڑی سرکار نے اپنے باپ سے کہا "—— خلیل کو اسی وقت بلا لیجئے —— وہ بالکل بدھو ہے —— لاکھ سمجھایا جائے کچھ سمجھتا ہی نہیں ——"

وہ کھڑی ہو گئیں۔ اور مجھے مخاطب کر کے کہا "—— چلو —— میرے ساتھ اسی وقت چلو ——"

صاحب نے کہا جاؤ ——"

میں اسی وقت بڑی سرکار کے ساتھ زنان خانے میں چلا گیا۔ راستہ میں انھوں نے دو چار سوالات کئے۔ وہ ہر بار مسکرا کر میری طرف دیکھتی اور مجھے یقین دلاتی رہیں کہ زنان خانے میں بہت خوش رہوں گا۔

زنان خانہ اسی کوٹھی کے احاطہ میں تھا۔ دونوں کوٹھیوں کے درمیان پائیں باغ تھا۔ اس باغ کے وسط میں فوارہ تھا۔ زنان خانے کے گرد تین طرف اونچی دیوار تھی اور دیوار کے ساتھ ساتھ سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ زنان خانہ اور باہری کوٹھی کا صدر پھاٹک ایک ہی تھا۔ لیکن زنان خانے کا ایک راستہ دوسری سڑک پر بھی نکلتا تھا۔ زیادہ تر آمد و رفت اسی طرف سے ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کئی روز اس کوٹھی میں

رہنے کے بعد بھی میں زنان خانے میں رہنے والوں کو نہ دیکھ سکا تھا۔ زنان خانہ کے برآمدے میں ایک دوسری نوجوان لڑکی ایک بیس بائیس سالہ نوجوان سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی، گٹھا ہوا جسم، گول چہرہ لانبی سوتواں ناک، کندنی رنگ، لانبے سیاہ بال اس نے مجھے بڑی سرکار کے ساتھ دیکھتے ہی پوچھا۔

"یہ کون ہیں آپا بی ——"

"سہراب خاں ——" انھوں نے ہنس کر کہا۔

"قد و قامت سے تو مجھے رستم خاں معلوم ہوتے ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ کہو —— ماشاءاللہ —— بڑی سرکار فوراً" بول اُٹھیں۔ پھر مجھ سے کہا۔

"یہ میری منجھلی بہن نفیس ہیں —— سب سے چھوٹی بہن جلیس اپنے کمرے میں ہوگی"

"یہ ہیں کون ——" نفیس نے مجھے دوستانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

آج خلیل کو کوٹھی بھیج رہی ہوں۔ اس کی جگہ اِن کو لائی ہوں ابا جان نے بھیجا ہے —— یہ بہت محنتی، سمجھ دار اور شریف ہیں ——"

"ہاں ——"

نفیس پھر اس نوجوان سے باتیں کرنے لگیں۔ بلقیس، نے نوجوان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ارشد تم ابھی نہیں گئے ——"

"جی ہاں جا رہا ہوں ——"

میں بڑی سرکار کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ انھوں نے کمرے کی ہر چیز دکھاتے ہوئے کہا۔

"—— میں زیادہ سامان نہیں پسند کرتی ہوں۔ آرائش میں سادگی اور صفائی ہونا چاہیے —— اس کمرے کو صاف رکھنا تمہارا کام ہوگا۔

کمرے سے گذر کر ہم لوگ دالان میں پہونچ گئے۔ اس دالان کے سامنے صحن تھا۔ اور اس کے دوسرے کنارے پر باورچی خانہ۔ دو کوٹھریاں اور ایک مختصر سا دالان۔ اسی صحن سے پشت پر دیوار کی طرف جانے کے لئے ایک دروازہ تھا۔ نیچے ڈرائنگ روم کے پاس پاس دو کمرے تھے۔ ایک کو لڑکیوں نے وارا لمطالعہ بنا رکھا تھا۔ اور دوسرا مہمانوں کے لئے تھا۔

ان کمروں کے علاوہ بھی متعدد کمرے تھے، جو مقفل تھے۔

دوسری منزل پر نفیس بلقیس اور جلیس کے علیحدہ علیحدہ کمرے تھے، اوپر بھی دو کمرے مقفل تھے اور باقی پوری طرح آراستہ تھے۔ دالان میں پہونچتے ہی میں نے فرش کی طرف دیکھا، موزیک کا شفاف فرش تھا لیکن معقول صفائی نہ ہونیکی وجہ سے ماند پڑ گیا تھا۔ میں نے بڑی سرکار سے کہا۔

"مجھے ایک میلا کپڑا دلا دیجئے۔ تاکہ اسے تر کر کے فرش صاف کر دوں"
انھوں نے آیا کو بلا کر ایک جھاڑن دلا دیا۔ اور میں دلان کے آخری سرے پر پہنچا
تاکہ وہاں سے اس کی صفائی شروع کر دوں۔

بلقیس دوسری منزل پر چلی گئیں اور آیا صحن میں کھڑی رہی۔ میں جیسے
ہی دالان کے آخری گوشہ میں پہونچا ایک دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی
تیزی کے ساتھ اندر سے نکلی اور قطعی غیر ارادی طور پر مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں نے
اسے فوراً اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا۔ ورنہ وہ سامنے ستون سے ٹکرا جاتی
اس نے سنبھلتے ہی علیحدہ ہو کر مجھے حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا۔ میں
بھی اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی عمر مشکل سے چودہ یا پندرہ سال کی ہو گی۔
شکل و صورت اور لباس سے میں سمجھ گیا کہ یہ چھوٹی سرکار جلیس ہیں
اپنی بڑی اور منجھلی بہنوں کی طرح جلیس بھی سرخ و سپید ہو رہی تھی۔ چھریرہ
بدن بیضوی چہرہ باریک لب بڑی بڑی نشیلی آنکھیں سرخی مائل سنہرے بال۔
انھوں نے صحن کی طرف دیکھا اور ستون کے قریب پہونچ کر آیا سے
پوچھا،

"فہیمن یہ کون ہیں ——"

میں یہاں کام کرنے آیا ہوں ——"

"اور خلیل ——؟" انھوں نے سوال کیا۔

"وہ کوٹھی میں بلا لیا گیا ہے ——"

چھوٹی سرکار مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی گئیں۔ فرش

صاف کرنے کے بعد میں نے فہمین سے کہا۔

——— "اور کوئی کام ہو تو بتاؤ ———"

تمہارا نام کیا ہے؟" ——— فہمین نے سوال کیا۔

"سہراب خاں ———"

فہمین کی عمر ۴۰ سال سے زیادہ تھی۔ بھدے خدو خال لیکن گندمی رنگ

اس نے باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"منی کی اماں چھٹی پر گئی ہیں ——— اس لئے صاحب کے باورچی خانہ سے کھانا لانا ہوگا ———"

اسی اثنا میں نفیس آ گئیں ——— انھوں نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا۔

——— "شروع کر دیا تم نے کام ———؟"

"جی ہاں ——— میں آیا اسی لئے ہوں ———"

فرش کو خوب صاف کر دیا ——— خیر آج تو شام ہو چکی ہے۔ کل کو میرے کمرے کا فرش بھی صاف کر دینا۔"

"میں نے پوچھا اور کوئی خدمت ———"

"اوپر آؤ ———"

وہ زینہ طے کرتی ہوئی دوسری منزل پر پہونچ گئیں۔ میں بھی ان کے پیچھے وہاں چلا گیا۔ نفیس کا کمرہ بلقیس کے کمرے کے سامنے تھا اور جلیس کا کمرہ نفیس کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دوسری منزل پر باغ کی سمت بالکنی

میں سنٹرل ٹیبل بچھی ہوئی تھی، اور اس کے گرد چار پانچ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جلیس اور بلقیس انھیں میں سے دو کرسیوں پر بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ بلقیس بھی انھیں کے پاس پہونچکر ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

بلقیس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کیا بات ہے سہراب ــــــــ آؤ ــــــــ"

میں نے قریب پہونچ کر کہا" ــــــــ فرش صاف کر دیا ہے اور کوئی کام ہو تو بتایئے"!

مجھے دیکھتے ہی جلیس کے چہرے پر ہلکا سا رنگ آگیا۔ اور خود بخود میری نگاہیں اس طرف اُٹھ گئیں۔ اس لئے کہ اس سے تصادم اور اسے اپنے بازوؤں پر سنبھالنے کے بعد سے میں اب تک ایک عجیب سا کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

جلیس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ میں نے خود بھی فوراً اس طرف سے نگاہیں ہٹالیں اور بلقیس کی طرف دیکھنے لگا۔

بلقیس نے کہا" آج پہلا دن ہے تم آرام کرو منی کی اماں اور منی کے ابا دونوں آج چھٹی لے گئے ہیں۔ اس لئے ہم لوگوں کا کھانا ڈیڈی کے باورچی خانے سے آئے گا۔

"بہت اچھا ــــــ"

"ہاں ــــــ تم اپنا سامان اور بستر بھی لے آؤ"۔

نفیس نے کہا" ــــــ ہاں شاگرد پیشہ یہاں سے دور پڑے گا ــــــ

یا ورچی خانے کے برابر ایک کوٹھری خالی ہے۔ اس میں اپنا سامان رکھ دو ——"

بڑی سرکار نے کہا "—— اور لیٹنے بیٹھنے کے لئے تو سب ہی کمرے خالی پڑے رہتے ہیں ——"

میں جانے لگا تو بڑی سرکار نے کہا: "ذرا فہمین سے کہہ دو کہ چائے تیار کر لیں ——"

میں فہمین سے کہتا ہوا کوٹھی کے شاگرد پیشہ میں چلا گیا۔ رحیم خاں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا۔

"وہاں مزے میں رہو گے —— کام بھی زیادہ نہیں ہے اور لڑکیاں بھی سمجھ دار اور نیک طبیعت کی ہیں —— ہاں آزاد خیال ضرور ہیں ——"

میں نے کہا "مجھے ان باتوں سے کیا مطلب —— میں ان کا اتالیق تو ہوں نہیں —— ایک ادنیٰ ملازم ہوں —— تابعداری میرا کام ہے"۔

میں شام کو بستر لے کر زنان خانے میں چلا گیا۔ اور ۸ بجے تک سب کو کھانا کھلا کر اپنی کوٹھری میں جانے ہی والا تھا کہ بڑی سرکار نے کہا۔

"سہراب تم اوپر کسی کمرے میں سو رہا کرو"۔

میں نے کہا "برآمدے میں بستر لگا لوں گا"۔

"سردی معلوم ہوگی ——"

جی نہیں —— میں دیہات کا رہنے والا ہوں۔ کھلی ہوئی ہوا میں خوب نیند آتی ہے"

"خیر تم جہاں چاہو سو سکتے ہو ——"

میں نے برآمدے میں بستر لگا لیا۔ نو بجے کے قریب لڑکیوں نے اپنے اپنے کمرے بند کر لئے اور میں بھی اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسرے روز علی الصباح وہی اینگلو انڈین لڑکی ایڈنا بڑی سرکار کے کمرے میں بیٹھی ہوئی نظر آئی۔

وہ مجھے دیکھتے ہی مسکرائی۔ بڑی سرکار سنگار میز کے سامنے کھڑی کنگھی کر رہی تھیں انھوں نے آئینہ میں میرا عکس دیکھا اور فوراً مسکرا دیں ایڈنا نے ان سے انگریزی میں کچھ کہا۔ انھوں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

منی کی اماں نے نیچے سے ناشتہ کے لئے مجھے پکارا۔ میں باورچی خانہ میں چلا گیا اور کچھ دیر بعد جب ناشتہ سے فارغ ہو کر ایڈنا اور بڑی سرکار چلی گئیں تو نفیس نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر کتابیں صاف کرنے کے لئے کہا۔

میں ان کی کتابیں صاف کرنے لگا۔ اور وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ کر مجھ کو دیکھتی رہی۔

بڑی سرکار تو بجے واپس آئیں۔ آج اسکول میں تعطیل تھی۔ اس لئے

دس بجے تک ان کی تین چار سہیلیاں آ گئیں، جلیس اور نفیس کچھ دیر کیلئے ان سب کے پاس آ کر بیٹھیں۔ اس وقت وہ لوگ دوسری منزل کے ایک بڑے کمرے میں بیٹھی ہوئی کیرم کھیل رہی تھیں۔

میں برآمدے میں آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد جلیس کمرے سے گنگناتی ہوئی نکلیں لیکن مجھے دیکھتے ہی قدرے متوحش ہو گئیں اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ جب وہ میرے سامنے آتی تھیں تو میں ان کو دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا اور دل میں ایک عجیب قسم کی الجھن سی محسوس کرنے لگتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں برآمدے میں ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر بعد بڑی سرکار کمرے سے باہر آئیں اور مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا۔

"سہراب تم کھانا کھا چکے ——"

"جی ہاں ——"

"اچھا تو ایک کام کرو ——"

"فرمایئے ——"

"خیر پھر دیکھا جائے گا —— رہنے دو ——"

وہ فوراً اندر چلی گئیں، ان کے جانے کے بعد ہی منجھلی سرکار باہر نکلیں۔ اور مجھے دیکھ کر مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ان لڑکیوں اور ان کی سہیلیوں کی آزادی میرے لیے ایک نئی

چیز تھی لیکن ٹھیکہ دار صاحب کی حرکتیں دیکھ کر مجھے ایک گونہ اطمینان ہو گیا تھا۔

ایک بجے کے قریب بڑی سرکار کی سہیلیاں چلی گئیں، دوپہر کا کھا تینوں بہنوں نے نیچے ڈرائنگ روم میں کھایا اور یکے بعد دیگرے اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ سب سے آخر میں بڑی سرکار گئیں۔ چلتے وقت انھوں نے مجھ سے کہا۔

"سہراب ۱۰ منٹ بعد میرے کمرے میں آنا"

میں ۱۰ منٹ بعد جب ان کے کمرے میں پہونچا تو وہ آئینہ کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی اپنے بال سلجھا رہی تھیں، اس طرح کہ ان کا دوپٹہ پلنگ پر پڑا تھا اور چست جمپر میں ان کے سینے کے ابھار پہاڑی چوٹیوں کی طرح نمایاں تھے۔ گورے گورے مکھڑے پر کھلے ہوئے بال بدلی میں گھرے ہوئے چاند کا منظر پیش کر رہے تھے۔

آئینہ میں میری شکل دیکھتے ہی انھوں نے انگڑائی لی۔ اور مڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آ گئے سہراب ——— "دیکھو" تم زیب النساء کو جانتے ہو ——— ؟

"جی نہیں ——— میں تو یہاں چند ہی روز سے آیا ہوں آپ لوگوں کے سوا کسی کو نہیں جانتا"۔

"——— اور ایڈنا کو ——— ؟"

"جی ہاں ان کو اکثر صاحب کے کمرے میں دیکھا ہے"۔

"ہاں ـــــ ڈیڈی ـــــ میری سہیلیوں میں ایڈنا ہی کو زیادہ چاہتے ہیں"۔

ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کچھ کہنا یا پوچھنا چاہتی ہیں۔ لیکن کسی وجہ سے حرف مدعا زبان پر نہیں لا سکتیں۔ میں بھی خاموش رہا اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلا آیا۔

دو ہی تین روز میں میں نے ان کی سب سہیلیوں کو سمجھ لیا ان میں زیب النساء سب سے زیادہ شوخ اور بیباک تھی، وہ بہت جلد مجھ سے بے تکلف ہو گئی، اس کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی مجھ سے دھینگا مشتی اور ہاتھا پائی سے بھی نہ چوکتی تھی۔ ایڈنا بھی شوخ اور طرار تھی۔ لیکن وہ بہت زیادہ محتاط رہتی تھی۔

سلمہ، زبیدہ اور نسیمہ بھی آزاد خیال تھیں لیکن زیب النساء کی طرح نہ تھیں، نفیس کی صرف دو سہیلیاں تھیں، نور جہاں اور قدسیہ وہ دونوں اول تو کمتر ہی آتی تھیں اور اگر آتی بھی تھیں تو اس طرح کہ نفیس سے دو چار منٹ باتیں کر کے چلی جاتی تھیں۔ جلیس کی سہیلی ماہ رخ اسی کی طرح شرمیلی الھڑ اور خاموش طبیعت تھی۔

ایک روز شام کو بڑی سرکار نے اپنے کمرے میں زیب النساء سے اس کی انگوٹھی چھین لی اور جب وہ اس سے ہاتھا پائی کرنے لگی تو انھوں نے میری طرف پھینک دی، میں نے اٹھا لی تو وہ دوڑی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

اور دس منٹ تک کش مکش ہوتی رہی اس کے سر سے ڈوپٹہ اتر کر فرش پر گر گیا۔ لیکن اس نے اس کی بھی پرواہ نہ کی جب وہ پوری طاقت لگا کر میرے ایک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دباتی تھی تو میں انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ میں لے لیتا تھا۔

دراصل اس ہاتھا پائی میں مجھے بھی لطف آ رہا تھا۔ کئی بار بڑی سرکار کے اشارے پر میں نے اس کو اپنی ٹانگوں میں بھی دبا لیا تھا۔ جب وہ تھک کر بے دم ہو گئی تو میری آغوش ہی میں گر پڑی۔ میں نے اسے اٹھا کر ایک صوفے پر لٹا دیا۔ بڑی سرکار اس دھینگا مشتی سے بہت خوش ہو رہی تھیں۔

جس روز میں زنان خانے میں آیا تھا اگر اسی روز مجھے اس قسم کی لڑکیوں سے سابقہ پڑتا تو جس طرح میں کوٹھی سے عاجز آ گیا تھا۔ اسی طرح وہاں سے بھی پریشان ہو کر بھاگ کھڑا ہوتا لیکن کوٹھی سے آنے کے بعد مجھے وہاں کا ماحول بالکل ساکن معلوم ہوا اور اس میں بتدریج ہنگامہ آرائیاں شروع ہوئیں۔ اس لئے میں نے ان کا کوئی خاص اثر نہ لیا بلکہ اسے اقتضائے فطرت سمجھئے یا فریب شباب کہ میں ان باتوں میں ایک قسم کا کیف محسوس کرنے لگا۔

بڑی سرکار میری اس بے تکلفی سے خوش تھیں اور مجھ سے قریب آتی جا رہی تھیں لیکن منجھلی سرکار کے تیور بدلتے جا رہے تھے پہلے وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا کرتی تھیں لیکن اب میری صورت دیکھتے ہی ان کی تیوریوں پر بل پڑ

جاتے تھے۔ وہ بڑی سرکار کے مقابلہ میں قدرے تیز مزاج بھی تھیں۔ اسلیئے میں حتی الامکان اس کو شکایت کا موقع نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ مجھ پر برس پڑتی تھیں۔

بڑی سرکار سب سے پہلے بیدار ہوتی تھیں۔ اس لیے میں پہلے انھیں کا کمرہ صاف کر کے سب چیزیں قرینے سے لگاتا تھا۔ اس کے بعد نفیس کے کمرے میں جاتا تھا۔

چھوٹی سرکار مجھ سے کبھی کسی کام کو نہ کہتی تھیں۔ اگر میں کمرہ صاف کرنے جاتا تو منع بھی نہ کرتی تھیں، اور اگر نہیں جاتا تھا تو شکایت بھی نہیں کرتی تھیں۔

ایک روز صبح کو جب میں بلقیس کے کمرے میں پہونچا تو ان کو خلاف معمول بستر ہی پر پایا۔

میں نے پوچھا "کیا بات ہے سرکار؟ ——— آپ تو بہت صبح بیدار ہو جاتی ہیں۔"

"آج سر میں درد ہے سہراب ———" انھوں نے اٹھ کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

وہ سنگار میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئیں اور پھر انگڑائی لیکر بولیں۔

"سخت درد ——— سہراب تم سر دبانا جانتے ہو ———؟"

میں بغیر جواب دیئے سر دبانے لگا۔ بڑی سرکار نے آنکھیں بند کریں کچھ دیر بعد انھوں نے آنکھیں کھول کر آئینے میں مجھے دیکھا اور قدرے تبسم کے ساتھ کہا۔

"بہت سکون مل رہا ہے ——"

مجھے ان کا سر دباتے ہوئے مشکل سے ۱۰ منٹ ہوئے ہوں گے کہ منجھلی سرکار نے مجھے آواز دی۔

بڑی سرکار نے خود ہی جواب دیا کہ "ابھی میرا کام کر رہا ہے" میں اسی طرح ان کا سر دباتا رہا۔

جب میرے ہاتھ ان کی کنپٹی کے قریب پہونچے تو انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"انھیں رگوں میں درد ہے —— شانے تک ——"

میرے ہاتھ ان کے شانوں تک پہونچ گئے۔ انھوں نے پھر آنکھیں بند کریں اور اپنے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر اس طرح رکھدئے کہ گویا انھیں بھی دبوانا چاہتی ہیں۔

مجھے بھی اس خدمت میں لطف آرہا تھا۔ اس لئے میں ان کی کہنیوں تک دبانے لگا۔

ایک بار آہستہ سے میرا ہاتھ پھسل کر ان کی بغل تک پہونچ گیا۔ وہ ایک ہلکی سی جھری جھری لے کر سیدھی ہو گئیں اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا انھوں نے پھر آئینہ میں مجھے دیکھا اور میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر ان پر سر

رکھتے ہوئے کہا۔

"سہراب پشت سے کمر تک دباؤ ——— بہت آرام مل رہا ہے رات بھر سوئی نہیں ہوں درد کے باعث"

اس مرتبہ ان کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہی مجھے خود جھرجھری آگئی۔ لیکن ہاتھ اپنا کام کرتے رہے۔ اسی اثنا میں منجھلی سرکار نے مجھے پھر پکارا۔ میں نے کہا۔

"حاضر ہوا سرکار ———"

بڑی سرکار سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں اور آنکھیں کھول کر پہلے آئینہ میں پھر پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری اور ڈورے سرخ ہو چکے تھے۔ ان کے پتلے پتلے احمریں لب بھی خشک ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ تھرتھرا رہے تھے۔ نگاہیں چار ہوتے ہی میں نے پوچھا۔

"——— کیسی طبیعت ہے سرکار"

"سہراب ———" انھوں نے مجھے تشنہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئیں۔

اُن کی نگاہوں نے مجھے بھی از خود رفتہ کر دیا۔ وہ کرسی ہٹا کر آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئیں۔ اور اس وارفتگی کے عالم میں میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اور میں خود بخود ان کی طرف کھنچنے لگا۔ ان کی آنکھوں کی پتلیاں بھی چڑھتی جا رہی تھیں کہ منجھلی سرکار

نے پھر مجھے پکارا۔

اس مرتبہ ان کا لہجہ قدرے تیز تھا۔ وہ غالباً برآمدے میں آچکی تھیں۔

ہم دونوں چونک پڑے۔ ہاتھ خود بخود علیٰحدہ ہو گئے۔ میں نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ بلقیس نے کہا۔

"کمبخت مری جا رہی ہے جیسے ——— جاؤ دیکھو کیا کہہ رہی ہے" ——— ان کے منہ سے بدقت تمام آواز نکل رہی تھی۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو ان کو اپنے کمرے کے دروازے پر پایا۔ وہ تیوریوں پر بل ڈالے دروازے پر کھڑی ہوئی اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں ڈرتا ہوا ان کے قریب سے گذر کر کمرے میں داخل ہو گیا، میرے بعد وہ بھی آگئیں اور طنزیہ لہجہ میں بولیں۔

"اب آپ بھی پر پرزے نکالنے لگے ہیں"

جواب دینے کی بجائے میں کپڑا اٹھا کر کتابوں کی طرف بڑھا۔ وہ راستہ کاٹ کر میرے سامنے آگئیں اور تیز لہجہ میں کہا۔

"پہلے میری بات کا جواب دو ———"

"جی سرکار ———" میں نے قدرے سہم کر کہا۔

"کیا تم نے میری آواز نہیں سنی تھی ———؟"

"سنی تھی ———"

"پھر کیوں نہیں آئے ——— اُنھوں نے کڑک کر پوچھا"

"کام کر رہا تھا ———"

"——— اور کیا یہاں میں تم کو تفریح کے لئے بلا رہی تھی ———؟"

میرا دل زور زور دھڑکنے لگا۔

خاموش کیوں کھڑے ہو جی ——— جواب کیوں نہیں دیتے ——— کیا میرا کام کام نہیں ———"

کیوں نہیں سرکار ———"

"تو پھر کیوں نہیں آئے تم ———؟"

میں پھر خاموش ہو گیا ——— وہ ایک ساعت تک مجھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"دیکھو سہراب میں ان باتوں کی عادی نہیں ——— اگر تم میرا کام نہیں کرنا چاہتے ہو تو صاف کہدو ——— میں ڈیڈی سے کہہ دوں گی"

"میں تو آپ کا تابعدار ہوں سرکار ———"

"دیکھو باتیں مت بناؤ ———"

"میں باتیں نہیں بنا رہا ہوں بلکہ سچ کہہ رہا ہوں"

"تم جینوں سمیت آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو"

"میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں سرکار ——"

"یقین دلانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ہر وقت انھیں کے کمرے میں گھسے رہتے ہو —— اور گھسے کیوں نہ رہو —— وہاں تو زیب النساء جیسی لڑکیوں سے کشتیاں ہوتی ہیں —— بھلا یہ باتیں یہاں کہاں ——"

میں سناٹے میں آگیا اور نگاہیں خود بخود نیچی ہوگئیں۔ انھوں نے میرے چہرے سے میری حالت کا اندازہ لگا کر محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہاں نہ تو ویسی ہا ہا ہو ہو ہوتی ہے نہ ویسا ہنسی مذاق اور نہ دھینگا مشتی ——"

میں نے ان کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا سرکار ——" اور آواز خود میرے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"سہراب تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ڈیڈی کو ان باتوں کی اطلاع ہوگئی تو وہ تم کو فوراً نکال دیں گے ——"

"میں آپ کا تابعدار ہوں۔ جو حکم ہو میں وہ کروں ——"

"نہیں میں تم سے کام لینا نہیں چاہتی ——"

انھوں نے میرے ہاتھ سے کپڑا چھین لیا۔ میں نے ان سے ملتجانہ لہجہ میں کہا۔

سرکار آپ تو ناراض ہوگئیں ——"

"ہاں —— بے شک —— میں اپنی ذلت نہیں گوارا کر سکتی"

مجھے معلوم تھا کہ اگر وہ ناراض ہو گئیں اور صاحب سے شکایت کر دی تو مجھے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس لئے میں نے ان کے ہاتھ سے کپڑا لے لیا۔ اور میز کی طرف بڑھ کر کتابیں صاف کرنے لگا۔ لیکن ان کو رہ رہ کر جوش آ رہا تھا۔ وہ پھر میری طرف لپکیں اور میرے ہاتھ سے کپڑا چھین لیا وہ مجھے میز کے پاس سے زبردستی ہٹانا چاہتی تھیں کہ ارشد میاں آ گئے۔

ارشد میاں کو دیکھتے ہی وہ قدرے گھبرا گئیں۔ لیکن فوراً اپنی حالت کو سنبھال کر تصنع آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان سے بولیں۔

"بیٹھیے ——"

وہ ہم دونوں کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کرسی کی طرف بڑھے۔

نفیس نے کپڑا مجھ کو دیتے ہوئے کہا "—— لیجئے —— اور ایک ایک کتاب اٹھا کر صاف کیجئے گا —— اور آئندہ کام میں ایسی لاپرواہی برتی تو اچھا نہ ہوگا"

میں جواب دینے کے بجائے کتابیں صاف کرنے لگا۔

نفیس نے ارشد کے قریب پہونچ کر پوچھا "کیوں خاموش کیوں ہو ——"

انھوں نے انگریزی میں جواب دیا۔ ان کے لہجہ میں طنز اور طعنہ کی جھلک تھی۔ چند الفاظ سے میں سمجھ گیا کہ وہ میرے متعلق کچھ کہہ رہے ہیں

اور منجھلی سرکار صفائی پیش کر رہی ہیں دونوں کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک روٹھا ہوا ہے اور دوسرا منانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ نفیس کہیں ٹھیکہ دار صاحب سے نہ شکایت کر دیں۔

کتابیں صاف کرنے کے بعد جب میں سنگار میز کی طرف متوجہ ہوا تو نفیس نے کہا۔

"بس اب جا کر جلیس کا کمرہ صاف کرو۔ کل وہ بھی تمہاری شکایت کر رہی تھی کہ سہراب بہت لاپرواہ ہے"!

میں نفیس کے اس جملے میں الجھا ہوا جلیس کے کمرے میں پہونچا۔ وہ اپنے پلنگ پر اس کے تکیہ کا سہارا لیئے بیٹھی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ میرے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ہی میری طرف دیکھا۔ اور گھبرا کر پوچھا۔

"——— تم کیسے آ گئے ———"؟

کمرہ صاف کرنے کے لئے ———"

اس وقت ان کے شانوں پر بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ کچھ ایسے انداز میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی اور میں ایک ساعت تک ان کو دیکھتا رہا۔ انھوں اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لئے کہا۔

"——— آج بہت صبح آ گئے ———"

مجھے نفیس کا جملہ یاد آگیا اور میں نے اُن سے پوچھا "کیا آپ نے منجھلی سرکار سے میری شکایت کی ہے ——— ؟"

"کیسی شکایت ——— ؟"

"یہی کہ میں بہت لاپرواہوں ———"

"نہیں ———"

میں سمجھ گیا کہ ارشد میاں کی وجہ سے انھوں نے مجھ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے یہ چال چلی تھی.

میں جلیس کا کمرہ صاف کرنے لگا. اور وہ دوبارہ کتاب پڑھنے لگیں لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد میری نگاہیں خود بخود ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں. اور ایک بار میں نے بھی ان کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا ——— میں متعدد بار اُن سے گفتگو کرنے کی کوشش کی اور چھیڑ کر دو چار باتیں دریافت کیں لیکن وہ ہاں یا نہیں میں جواب دے کر خاموش ہو گئیں.

ان کو دیکھ کر میں نفیس کی دھمکیاں فراموش کر چکا تھا نصف گھنٹہ بعد ان کی ایک سہیلی نجمہ آگئی اور میں کام ختم کر کے باہر آیا.

صاحب عموماً ۱۰ بجے سے قبل دو چار منٹ کے لئے لڑکیوں کو دیکھنے کے لئے آتے تھے.

میں جب نفیس کے کمرے کے سامنے سے گذرا تو عمداً ٹھہر کر ارشد میاں اور ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی. لیکن دونوں میں سے

کسی کی آواز سنائی نہ دی۔

ارشد میاں ان کے دور کے رشتہ دار تھے اور لکھنؤ میں کسی کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے، وہ ہفتہ میں دو ایک بار ان لوگوں سے ملنے کے لئے آتے تھے اور زیادہ وقت نفیس کے ساتھ گذارتے تھے وہ اگرچہ میرے ہم عمر تھے لیکن ضرورت سے زیادہ نحیف الجثہ اور کمزور تھے، اس لئے میرے مقابلے میں کم سن نظر آتے تھے۔

میں زینے سے اتر کر نیچے دالان میں پہونچا تو ارشد میاں اور منجھلی سرکار کو برآمدے کی طرف جاتا ہوا دیکھا۔ ارشد میاں شاید واپس جا رہے تھے اور نفیس ان کو پہنچانے آئی تھیں، اسی وقت صاحب آگئے اور نفیس انکے ساتھ واپس آگئیں۔ ارشد میاں اپنی سائیکل لے کر چلے گئے۔ میں باورچی خانے میں چلا گیا۔

نفیس صاحب سے باتیں کرتی ہوئی دوسری منزل پر چلی گئیں میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور میں اپنے دل میں ڈر رہا تھا کہ وہ کہیں صاحب سے میری شکایت نہ کر دیں۔ میں خود اپنی نظروں میں مجرم تھا۔ مجھے زیب النساء سے اس قدر بے تکلف نہ ہونا چاہیئے تھا۔

اس کے طور طریقوں سے ظاہر تھا کہ وہ اچھے چال چلن کی لڑکی نہیں ہے لیکن ایک ملازم کی حیثیت سے مجھے اس سے ہاتھا پائی نہیں کرنا چاہیئے تھی۔

میں نے جس قدر بھی اس پہلو پر غور کیا اسی قدر میرا ضمیر مجھ کو ملامت کرنے لگا۔

میں یہاں ملازمت کرنے آیا تھا لیکن ـــــــ بڑی سرکار سے بے تکلفی۔ زیب النساء سے دھینگا مشتی اور جلیس کو پر شوق نگاہوں سے دیکھنا میرا ضمیر مجھ کو لعنت ملامت کرنے لگا ـــــــ میری ضعیف ماں اور بیوہ بہن مکان پر معلوم نہیں کس عالم میں ہوں گی، اور میں یہاں نئی دلچسپیوں میں پھنستا جا رہا تھا۔

میں خود پر نفریں کرتا ہوا باورچی خانہ سے نکل کر اپنی کوٹھڑی میں آیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

صاحب کے واپس جاتے ہی نفیس نے مجھے پھر اپنے کمرے میں بلایا اور حسب سابق تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

ابھی ڈیڈی آئے تھے ـــــــ تمہارے متعلق دریافت کر رہے تھے ـــــــ میں شکایت نہیں کرنا چاہتی اس لئے کہہ دیا کہ بہت محنتی ہے ـــــــ"

"سرکار میں محنت سے نہیں گھبراتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں آجکل تم جیسی محنت کر رہے ہو"!

"میں نے ان کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا تو بولیں" مجھے کیا دیکھ رہے ہو اپنے دل کو ٹٹولو"!

میں نے گھبرا کر پوچھا۔

کیا بات ہے سرکار ـــــــ"؟

"بات پوچھ کر کیا کرو گے ـــــــ"

کچھ تو بتایئے ——"

انھوں نے چاروں طرف دیکھ کر پوچھا "ابھی تم آپا بی کے کمرے میں کیا کر رہے تھے؟"

"ان کا سر دبا رہا تھا ——"

"روز دباتے ہو ——"

انھوں نے معنی خیز نگاہوں سے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں —— آج پہلا اتفاق تھا۔ ان کے سر میں درد تھا انھوں نے کہا میں دبانے لگا۔"

میں یہ نہیں دریافت کر رہی ہوں کہ کیوں دبانے لگے۔ اگر ان کے سر میں درد تھا تو اچھا کیا لیکن —— خیر ——"

وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں

میں نے پوچھا "کیا بات ہے سرکار ——"

"میں جو کچھ پوچھوں گی بتا دو گے ——؟"

جی ہاں —— ضرور بتا دوں گا ——"

—— اور یہ باتیں کسی سے کہو گے تو نہیں ——؟"

جی نہیں ——"

وہ دروازے تک گئیں اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکتے ہوئے ایک اچٹتی نظر ڈالی اور دوبارہ واپس آ کر مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

تم اس وقت ان کا سر دبا رہے تھے یا کچھ اور ——"

"جی نہیں مجھ سے قسم لے لیجئے ——" میں نے سہم کر کہا۔

"دیکھو سہراب مجھ سے جھوٹ نہ بولو —— میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں —— میری آنکھیں مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتیں —— میں نے خود دیکھا ہے۔ تم ان کے رخساروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور وہ آہستہ آہستہ تمہارے ہاتھ دبا رہی تھیں ——"

میں نے ہمت کر کے کہا۔

"—— لیکن اس میں میری کیا خطا ہے —— میں ان کی پیشانی دبا رہا تھا انھوں نے میرے ہاتھوں کو قدرے نیچے کھینچ کر ان پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے"!

منجھلی سرکار کچھ دیر خاموش کھڑی ہوئی کچھ سوچتی رہیں پھر بولیں۔

—— حیرت ہوئی کہ میں نے ہی دیکھا۔ اگر کہیں اسوقت ڈیڈی آجاتے تو تم کو زندہ ہی دفن کر دیتے —— وہ جس قدر سیدھے اور شریف ہیں اسی قدر بے رحم اور ظالم بھی ہیں"!

میں نے فوراً جواب دیا۔

—— لیکن سرکار آپ ہی بتایئے میں کیا کروں میں تو آپ کا، ان کا اور سب کا تابعدار ہوں۔ جو حکم دیا جاتا ہے وہ کرتا ہوں ——"

نفیس کا لہجہ بھی قدرے نرم ہوگیا اور وہ بولیں۔

"میں جانتی ہوں کہ تم ملازم ہو ——— لیکن بہرحال تم کو محتاط رہنا چاہیئے ——— خدا معلوم ان کی طبیعت کیسی ہوگئی ہے ——— ابھی کوئی چوتھے دن کی بات ہے ——— ہم سب بادشاہ باغ سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں وہ ڈرائیور کے پاس بیٹھ گئیں اور کار چلانے لگیں ——— وہ ان کو بریک لگانا اور گیر بدلنا بتا رہا تھا اور اس بہانہ سے ان کے جسم کو چھو رہا تھا ——— اور وہ ہنسیں کہ کھلی جارہی تھیں ——— اس سے چمٹی جارہی تھیں ——— میں خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی ——— جی میں تو آیا کہ ابا جان سے کہہ دوں ——— لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ کیا فائدہ آپس میں برائیاں پڑ جائیں گی ——— اور وہ غریب اپنی ملازمت سے جائے گا۔"

میں نے ان کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

——— میں قطعی اس طبیعت کا نہیں ہوں ——— یقین کیجیے، کہ اس گھر کے علاوہ آج تک میں نے کہیں کسی لڑکی سے گفتگو تک نہیں کی ہے ——— بہرحال میں بہت محتاط رہوں گا ———"

"دیکھو ان باتوں کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا، اور زیب النساء سے بھی محتاط رہو۔ وہ اور ایڈنا دونوں آوارہ لڑکیاں ہیں انھیں کی صحبتوں میں رہ کر

وہ بھی ایسی ہوگئی ہیں ورنہ وہ پہلے ایسی نہ تھیں ــــــ"

"میں تو ایڈنا سے بات بھی نہیں کرتا ہوں"

ــــــــــــــ لیکن زیب النساء سے تو کافی بے تکلفی ہوگئی ہے ــــــــ"

"ــــــــــــــ اب آپ کو خدا نے چاہا تو شکایت کا موقع نہ ملے گا ــــــــ"

زیب النساء سے صاف صاف کہدو کہ میں اس طبیعت کا نہیں ہوں ــــــــ اور آپا جان نے تو شرم و حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا ہے ــــــــ میں کسی روز باتوں باتوں ان کو سمجھا دوں گی ــــــــ میں یہ سب تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں ــــــــ ــــــــــــــ اور دیکھو اگر کوئی خاص بات ہو تو مجھے فوراً بتا دینا"

"ضرور بتا دوں گا ــــــــ"

خصوصاً جلیس کے سامنے بہت محتاط رہا کرو ــــــــ وہ بہت خاموش لیکن تند مزاج لڑکی ہے ــــــــ اگر وہ دیکھ لیتی تو قیامت کر دیتی ــــــــ"

بلقیس کو شاید معلوم ہو چکا تھا کہ میں نفیس کے کمرے میں ہوں کیونکہ انھوں نے مجھے برآمدے میں آکر اسی طرف رخ کر کے آواز دی میں نے جواب دیا۔

"جی ——— آیا ———"

نفیس نے مسکرا کر کہا۔

"—— جاؤ دیکھو ——— وہ ہڑک رہی ہیں"

میں بلقیس کے کمرے میں پہونچ گیا۔ وہ سر میں ریشمی فیتہ باندھ رہی تھیں۔

۳

نفیس کی تنبیہ کے بعد میں دو چار روز تک بہت سہما ہوا رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ صاحب سے نہ کہدیں۔

اس درمیان میں بلقیس نے متعدد بار تنہائی میں مجھے اپنے پاس بلایا ادر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن میں ہر بار کسی نہ کسی بہانہ سے چلا گیا۔ میری اس بے التفاتی سے غالباً بلقیس نے یہ سمجھ لیا کہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور میں اس قسم کی باتوں سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اور میرے اس خیال کی تصدیق بھی ہوگئی وہ اس طرح کہ ایک روز دوپہر کے وقت میں دوسری منزل کے اس کمرے میں فرش پر لیٹا جو بلقیس کے کمرے سے ملحق تھا۔ اس کا ایک دروازہ بلقیس کے کمرے میں کھلتا تھا۔ یہ کمرہ مہمانوں کے لیے تھا اور عام طور پر خالی پڑا رہتا تھا۔ میں دوپہر کے وقت کام سے فارغ ہو کر اکثر اسی کمرے میں جا کر سو جاتا تھا۔ چنانچہ اس روز بھی میں حسب معمول اس کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔

بلقیس نفیس اسکول سے واپس آچکی تھیں اور اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہی تھیں۔

میں لیٹا ہی تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے بلقیس کے کمرے میں بی سرگوشیاں کر رہا ہے۔

اگرچہ نفیس کی تاکید کے بعد اب میں محتاط ہو گیا تھا لیکن اس وقت تنہائی کی وجہ سے خود بخود میرے دل میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوا اور میں دبے پاؤں دروازے کے قریب پہونچ کر اس کی دراز سے کان لگا کر سننے لگا۔

زیب النساء بلقیس سے سرگوشیوں کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کمبخت کی صورت کے ساتھ تندرستی بھی ایسی ہے کہ رال ٹپک پڑتی ہے"

"ــــ لیکن بالکل بدھو ہے ــــ کچھ بھی نہیں سمجھتا"

بلقیس نے جواب دیا۔

"اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اسی روز ــــ"

زیب النساء فوراً یوں اٹھی "تمہارے دل کے سب ارمان نکل جاتے ــــ"

"کس دل سے کہہ رہی ہو ــــ" بلقیس نے قدرے بھنچی ہوئی آواز میں کہا ــــ"

"مجھ سے زیادہ تو تم ریجھی ہوئی ہو ــــ"

"میں ایسا دل نہیں رکھتی جو کسی پر ریجھے"

"اے خدا نہ کرے ——"

"سچ کہتی ہوں بلقیس —— میں ریجھنے کی قائل نہیں جو مرد پسند آجائے بس وقتی طور پر وہی سب کچھ ہے"

بلقیس نے فوراً کہا۔

نفیس بیگم بھی کچھ متوجہ نظر آرہی ہیں —— ہر وقت اور ہر کام کے لئے سہراب ہی بلائے جاتے ہیں"

میں سمجھ گیا کہ دونوں اس وقت میرے ہی متعلق باتیں کر رہی ہیں اور جیسا کہ نفیس نے کہا ہے واقعی زیب النساء بہت آوارہ ہے۔

میں دروازے کے پاس سے ہٹنے ہی والا تھا کہ زیب النساء نے ہلکی سی سسکی لی اور اس کے بعد ہی بلقیس کی آواز سنائی دی۔

"اُوئی کمبخت میں سہراب نہیں بلقیس ہوں ——"

میں نے دروازے سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف پردہ پڑا ہوا تھا۔

ان کی باتوں سے میری طبیعت الجھنے لگی اس لئے میں دبے پاؤں اس کمرے سے نکل کر بالکنی میں آگیا۔

جلیس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ فہمین بوا کی نواسی سے زور زور باتیں کر رہی تھیں۔

اسی روز شام کو مغرب کے بعد جب ایڈتا زیب النساء اور تینوں بہنوں کی سہیلیاں چلی گئیں تو بلقیس یکایک بے ہوش ہوگئیں۔ نفیس بھی جا چکی تھیں

بلقیس کے ساتھ صرف جلیس تھیں۔ اپنی بڑی بہن کو بے ہوش ہوتا ہوا دیکھ کر انھوں نے مجھے پکارا۔

سہراب ——— جلدی آؤ ——— دیکھو آپا بی کو کیا ہو گیا ———؟"

میں بلقیس کی طرف لپکا وہ پھولوں کی روش کے قریب کھڑی لہرا رہی تھیں جیسے ہی میں قریب پہونچا وہ پھولوں کے تختوں کی طرف جھکیں لیکن میں نے بڑھ کر فوراً اپنے بازوؤں پر لے لیا۔

جلیس گھبرا کر چیخ اٹھی۔

"ہائے اللہ آپا بی کو کیا ہو گیا ———؟"

میں نے ان کو سنبھال کر اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا اور جلیس سے کہا۔

"اپنے دوپٹے کے آنچل سے ان کو ہوا دیجئے ———"

اُنھوں نے گھبرا کر آنچل سنبھالا لیکن فوراً کچھ خیال آگیا اور بولیں۔

نہیں سہراب ——— یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ——— ان کو اندر لے چلو ———"

میں دروازے کی طرف بڑھا وہ مجھ سے آگے آگے چلنے لگیں بلقیس کا سر میرے داہنے بازو پر تھا۔ اور اسی ہاتھ سے میں ان کا داہنا بازو دبائے ہوئے تھا اور دوسرے بازو سے انکے پیر سنبھالے ہوئے تھا۔ ان کا بایاں ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا۔

جیسے ہی میں چلا میں نے محسوس کیا کہ ان کا بایاں ہاتھ میری کمر کے

گرد آگیا ہے۔

میں نے اس طرف دیکھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ان کا جسم یکایک سخت ہوگیا۔ اور انگڑائی لے کر اُٹھوں نے اس سرعت کے ساتھ اپنے پیر پھیلائے کہ اگر میں ٹھہر کر ان کو نہ سنبھالتا تو نیچے گر جاتیں۔

جلیس کافی آگے بڑھ چکی تھیں۔ میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا انھوں نے بھی میری طرف دیکھا اور پھنس پھنسی آواز میں بولیں۔

"سہراب مجھے اسی طرح زور سے اپنے بازوؤں میں دبائے رہو"

بلقیس کے جسم کی لمس نے میری حالت متغیر کر دی تھی۔ میرے جسم کا عضو عضو پھڑکنے لگا تھا اور دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ ان کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے کر اس زور سے دباؤں کہ ان کی پسلیاں تک چرمُرا جائیں۔

بلقیس کا جملہ ختم ہوتے ہی میں نے گرفت مضبوط کر لی وہ مچل کر میری گرفت سے نکل گئیں۔ اور ان کے قدم زمین تک پہونچ گئے۔ لیکن وہ فوراً سنبھل گئیں۔ اور میری گردن میں اپنے دونوں بازو حمائل کر کے میرے سینے سے لپٹ گئیں اور بھنچی ہوئی آواز میں بولیں۔

"سہراب مجھے اُٹھالو ——"

میں نے ان کو اُٹھا لیا اور ان کا گداز سینہ میرے بائیں شانے پر دبنے لگا۔ میرے ساتھ انھوں نے بھی اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اپنے تھرتھراتے ہوئے گرم لب پہلے میری کنپٹی پر پھر بائیں گال پر رکھ دیئے

اور بے تحاشا بوسے لینے لگیں۔

میں نے گرفت کو اور زیادہ مضبوط کر لیا۔ اور ان کو کھینچ کر دوسرے بازو پر لینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازے سے فہمین اور منی کی ماں نکلیں ان کے پیچھے جلیس تھیں جلیس کے پیچھے نفیس۔

منی کی ماں نے بلقیس کو اس عالم میں دیکھتے ہی کہا۔

"ہائے بڑی سرکار کو کیا ہو گیا ——— میاں کو خبر کرو ———"

بلقیس نے پھر ہاتھ پیر ڈھیلے کر دیئے تھے۔ میں نے سب سے کہہ دیا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں ——— اب طبیعت کچھ ٹھیک ہے ———"

سب گھبرائے ہوئے تھے لیکن نفیس مجھے دیکھ کر مسکرائیں اور قریب پہونچ کر کھڑی ہو گئیں۔

فہمین نے بلقیس کو دیکھا اور ان کا سر ہلا کر آواز دی تو انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔

جلیس نے کہا سہراب ——— آپا بی کو زمین پر اتار دو ———"

میں نے ان کو زمین پر اتارا فہمین بوا نے فوراً ان کو سنبھال لیا اور کچھ دیر بعد وہ آہستہ آہستہ چل کر صحن میں پہونچ گئیں۔ میں نے دالان سے آرام کرسی لا کر صحن میں بچھا دی۔ اور وہ اسی پر دراز ہو گئیں میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

رات کو کھانے کے بعد جب میں دوسری منزل سے نیچے اتر رہا تھا تو زینے پر نفیس ملیں اور پھر مجھے دیکھتے ہی مسکرائیں۔ ان کی اس مسکراہٹ سے میں تو شام ہی کو کافی پریشان اور خائف ہو گیا تھا اور میں نے اپنی جگہ پر سمجھ لیا تھا کہ نفیس کو اس بے ہوشی کا سبب معلوم ہو چکا ہے اس لئے میں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

"میں آپ ہی کے پاس گیا تھا ——"

"کیوں ——؟"

انھوں نے اس طرح مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کچھ کہنا ہے ——"

کہو —— کیا کہنا چاہتے ہو ——"

کسی طرح مجھے چھٹی دلا دیجئے —— میں مکان واپس جانا چاہتا ہوں ——"

باتیں بناتے ہو —— بلقیس نے ایک تلخ تبسم کے ساتھ طنزیہ لہجہ میں کہا۔

میں اس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس لئے صرف "سرکار" کہہ کر خاموش ہو گیا اور نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ایک ساعت تک مجھ کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

سہراب! تم دیہات کے نوجوان ہو اور ہم شہر کی رہنے والی لڑکیاں تم ہم سے اڑ کر نہیں جا سکتے ——"

میں نے ان کی طرف دیکھا اور وہ جواب کا انتظار کئے بغیر چلی گئیں میرے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے اور ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ میاں سے میری شکایت نہ کر دیں۔

میں یہ باتیں بلقیس سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا اس لئے کہ وہ بھی نفیس کی طبیعت سے واقف تھیں۔

اگرچہ یوں تو نفیس بھی ان کی طرح ہنس مکھ تھیں لیکن بلقیس کے مقابلہ میں قدرے تند خو تھیں۔ اس لئے وہ بھی ان سے دبتی تھیں۔ علاوہ ازیں یہ خوف تھا کہ اگر کسی نہ کسی طرح میں نے بلقیس سے اور انھوں نے نفیس سے باز پرس کی، تو دونوں میں تو تو میں میں ہو گی اور میری شامت آجائے گی۔

میں نیچے پہونچا تو بلقیس اور حلیس کو ایک معمر خاتون سے باتیں کرتا پایا۔ امی کی اماں نے مجھ سے بتایا کہ وہ ان کی دور کے رشتہ کی چچی ہیں۔

میں دالان میں آکر ایک ستون کے سہارے کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

فہیمن بوا باورچی خانہ سے ملحق دالان میں بیٹھی ہوئی ڈلی کتر رہی تھیں مجھے دیکھتے ہی انھوں نے آواز دے کر بلایا اور پوچھنے لگیں۔

"کیا بات ہے سہراب ——"

"کچھ نہیں بوا —— کوئی خاص بات نہیں ہے"

"آج تم کچھ چپ چپ سے نظر آرہے ہو ——؟"

"کچھ طبیعت سست ہے ——"

بلقیس اور جلیس ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ بلقیس نے مجھ کو اپنے بلا کر پوچھا۔

"تمہاری طبیعت سست ہے ——؟"

"جی ہاں ——" میں نے بات بنانے کی غرض سے کہا" نزلہ کی شکایت ہوگئی ہے ہاتھ پیروں میں درد ہے ——"

کھانا کھا چکے ہو ——"

آج بھوک ہی نہیں معلوم ہوتی ہے ——"

"لیکن بغیر کھائے ہوئے سونا ٹھیک نہیں —— طبیعت اور زیادہ سست ہو جائے گی ——"

ان کے اصرار پر میں نے کھانا کھایا۔ بلقیس اور جلیس اپنی چچی کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کرتی رہیں۔ جب میں دالان سے نکلا تو بلقیس نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا۔

"سہراب! میرے کمرے میں جاؤ اور غسل خانہ کے دروازے کے پاس جو الماری ہے اس میں سرخ رنگ کی دوائی کی ایک شیشی رکھی ہوئی ہے —— اسے نکال لاؤ ——"

جلیس بول اٹھیں" لیکن کھانا کھانے کے فوراً بعد دوا نہ پینا چاہیئے وہ سکچر تو سوتے وقت پینا چاہیئے ——"

ہاں —— ابھی نہ دو ——" ان کی چچی نے کہا۔

"—— اچھا تو جب سونے کا ارادہ کرنا تو میرے کمرے میں

آکر ایک خوراک دوا پی لینا طبیعت ٹھیک ہو جائے گی"۔

میں بہت اچھا کہہ کر بڑے دالان میں چلا گیا اور ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں خود بخود جلیس کے حسین پیکر پر جم گئیں۔ اگرچہ جلیس مجھ سے دور ہی دور رہتی تھیں اور بہت کم گفتگو کرتی تھیں لیکن وہ مجھے جس وقت بھی نظر آتی تھیں میری نگاہیں کچھ دور تک ان کا تعاقب ضرور کرتی تھیں۔ اور دل میں عجیب قسم کے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔

میں اب یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ جیسے میں خود بخود ان کی طرف کھنچے لگا ہوں۔

میں انھیں خاموش نظر بازیوں میں مصروف تھا کہ نفیس نے مجھے زینے پر آکر آواز دی۔

میں فوراً اُٹھ کر دوسری منزل پر پہونچا۔ وہ اپنے کمرے میں واپس جا چکی تھیں۔ دروازے کا پردہ اب تک ہل رہا تھا۔ میں بھی کمرے میں داخل ہو گیا۔

نفیس لکھنے کی میز کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی ایک کتاب دیکھ رہی تھیں۔

مجھے دیکھتے ہی انھوں نے کتاب بند کر کے میز پر رکھدی اور مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپا جی کہاں ہیں ——————؟"

آپ کی کوئی عزیزہ آئی ہیں ان سے باتیں کر رہی ہیں"۔

"مختار چچا کی بیوی ہوں گی۔" انھوں نے ان کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"آپا بی ٹھیک ہو گئیں ——— ؟"

"جی ہاں ——— اس وقت تو ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہیں ———"

تم تو خدا سے دعائیں مانگ رہے ہو گے کہ روز وہ پائیں باغ میں بے ہوش ہو جایا کریں۔ اور تم اسی طرح ان کو اٹھا کر لایا کرو ———"

چھوٹی سرکار کے کہنے پر میں نے ان کو اٹھایا تھا ——— "میں نے نفیس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

نفیس یکایک میرے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت وہ مردانہ طرز کا ڈھیلی لہری کا نیل گوں پائجامہ اور چینی کوٹ سے ملتا جلتا جمپر پہنے ہوئے تھیں اس کے سینے پر اصلی رنگوں میں گلاب کے دو پھول بنے ہوئے تھے۔ ان کے لانبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سر میں صرف ایک سرخ فیتہ بندھا ہوا تھا اور سینہ، سر اور شانے دوپٹے سے بے نیاز تھے ———

بجلی کی خیرہ کن روشنی میں اس دلکش لباس نے ان کے حسن و شباب میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

ان کو اپنے قریب اس زہد شکن انداز میں کھڑے دیکھ کر میں کچھ بوکھلا سا گیا۔

نفیس نے میری بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "مجھے تم سے ہمدردی ہے اس لئے کہ تم بہت سیدھے ہو ——— لیکن ——— لیکن ———"

وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں اور مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

رعب حسن اور قربِ شباب سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی پیشانی پر پسینہ آگیا تھا۔ اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ آج اور اسی وقت کوئی خاص واقعہ ظہور میں آنے والا ہے۔ میں نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

اسی وقفہ میں نفیس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا اور مجھ سے کہا میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جمیل ڈرائیور سے بھی وہ اسی طرح بے تکلف ہو چکی ہیں وہ بہت شورہ پشت ہے۔ اگر اس کو ذرا بھی شک ہو گیا کہ تم بھی آپا جی سے بے تکلف ہو اور وہ ضرورت سے زیادہ تم پر مہربان ہیں تو وہ چھڑ کر تم سے لڑائی مول لے گا۔

میں نے فوراً جواب دیا۔ "خیر میں جمیل جیسے دس کے لئے کافی ہوں ——— لیکن میں یہاں لڑنے نہیں بلکہ ملازمت کرنے آیا ہوں ——— میرا خیال تھا کہ کچھ دن اسی گھر میں کاٹ دوں گا لیکن ابھی میرے مقدر میں کچھ دن اور ٹھوکریں کھانا لکھا ہے ——— میں کل صبح یہاں سے چلا جاؤں گا ———"

"کیوں چلے جاؤ گے ——" نفیس نے گھبرا کر کہا۔

اس لیے کہ میں بے عزت بن کر نہیں رہنا چاہتا —— جس رزق سے پرواز میں کوتاہی آئے اس سے موت اچھی"۔

"نہیں سہراب —— تم نہیں جا سکتے —— تم نہ جاؤ حالات کا مقابلہ کرو —— پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔

نفیس کا لہجہ بدل گیا وہ میرے پاس بالکل قریب آگئیں اور شاید میرے شانے پر ہاتھ رکھنے والی تھیں لیکن کسی خیال سے ہاتھ اٹھا کر کھینچ لیا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"حرف محتاط رہنے کی ضرورت ہے —— گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ——"

اِن کے گداز سینے کا زیر و بم میرے احساسات کے سمندر میں نئی موجیں پیدا کر رہا تھا۔

انھوں نے خاموش ہوتے ہی مجھے پرشوق نگاہوں سے دیکھ کر دلربایانہ انداز میں انگڑائی لی اور ابھی ان کے ہاتھ نیچے گرنے بھی نہ پائے تھے کہ قطعی غیر متوقع طور پر جلیس کمرے میں آگئیں۔ انکھیں دیکھتے ہی میرا دل دھک سے ہوگیا اور خود نفیس بھی گھبرا گئیں۔ جلیس نے جیسے ہی ہم دونوں کو ایک دوسرے سے اس قدر قریب کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ جس جگہ تھیں اسی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔

نفیس فوراً ان کے قریب پہونچ گئیں اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر

محبت آمیز لہجہ میں بولیں

"وہاں کیوں کھڑی ہوگئیں ـــــ آؤ بیٹھو ـــــ"

وہ اپنی بہن کے پلنگ تک آئیں اور دونوں ایک ساتھ بیٹھ گئیں۔ جلیس ضرورت سے زیادہ متوحش نظر آرہی تھیں اور اِن کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے انھوں نے کوئی غیر متوقع واقعہ دیکھا ہے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا اسی جگہ کھڑا رہا ـــــ پلنگ پر بیٹھنے کے بعد نفیس نے کہا۔

سہراب تم ہم لوگوں کی کتابیں دیکھتے رہا کرو ـــــ اس سے مطالعہ وسیع ہوگا ـــــ"

میں سمجھ گیا کہ وہ محض جلیس کو بہلانے کی غرض سے یا تیں بنا رہی ہیں۔ اس لیے میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

جی ہاں مجھے خود بھی مطالعہ کا شوق ہے ـــــ"

جلیس نے مجھے متجسانہ نگاہوں سے دیکھا میں نے اپنی پریشانی چھپانے کی غرض سے کہا۔

تنخواہ ملنے کے بعد میں چند کتابیں خریدوں گا ـــــ"

"کیسی کتابیں ـــــ ؟" نفیس نے بغیر کسی مطلب کے دریافت کیا۔

"بانگ درا ـــــ اور تاریخ اندلس ـــــ"

"تمہارا انتخاب تو بہت اچھا ہے ـــــ" نفیس نے قدرے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"بانگ درا تو میرے پاس موجود ہے لہٰذا اسے خریدنے کی ضرورت نہیں ـــــ"

جلیس ابھی بالکل ناتجربہ کار اور الھڑ تھیں، ۱۴ سال کا سن، وہ نفیس کی باتوں میں بہہ گئیں اور ان سے کہا۔

"ـــــ تاریخ اندلس بھی تو ابا جان کی لائبریری میں ہے ـــــ جب مراد بھائی صاحب دہلی سے آئے تھے تو انھوں نے نکال کر پڑھی تھی"۔

"ہاں ـــــ میں تو بھول ہی گئی تھی ـــــ" نفیس نے اپنی چال کو کامیاب ہوتے دیکھ کر کہا۔

"ـــــ ابا جان کی لائبریری میں ہزاروں کتابیں ہیں"

"انگریزی کی کتابیں زیادہ ہیں۔ ـــــ جلیس نے اپنی بہن کی بات کاٹ کر کہا۔

نفیس نے فوراً مجھ سے سوال کیا۔ "سہراب تم انگریزی بھی پڑھ لیتے ہو ـــــ؟"

"صرف کنگز ریڈر پڑھی ہے ـــــ"

"اب دوسری کتاب شروع کرو ـــــ اسٹار آف انڈیا کی دوسری کتاب تمہارے لئے مناسب رہے گی"۔

"میں دے دوں گی ـــــ جلیس نے مجھے مخاطب کئے بغیر کہا۔

"خالہ اماں کی چھوٹی لڑکی تیمور کے لئے ابا جان نے منگائی تھی لیکن وہ چلی ہی گئی ——— کتاب میری الماری میں کہیں پڑی ہوئی ہے ———"

"تو بس پھر ٹھیک ہے ———" نفیس نے کہا۔

"تم کل سے وہی کتاب شروع کر دو ——— صبح جلیس لے لینا اور ہم لوگوں سے سبق لے لیا کرنا ———"

"بہتر ہے ———"

تم ماشاءاللہ بہت ذہین اور تیز ہو ——— اور بتاتے ہو کہ اُردو مڈل پاس ہو ——— اگر تھوڑی بہت یعنی معمولی انگریزی پڑھ لوگے تو ابا جان اپنے ہی کسی کام پر لگا دیں گے"!

گفتگو کا موضوع سنجیدہ ہو چکا تھا۔ میں نے کہا۔

"میں اسی لئے لکھنؤ آیا تھا کہ یہاں ملازمت بھی کروں گا اور اسی کے ساتھ پڑھتا بھی رہوں گا ——— مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے ———"

"اگر پڑھنے کا شوق ہے تو ضرور پڑھو"!

جلیس نے بغیر کسی ارادے کے جوش میں کہنا شروع کیا" میں تمہاری ہر ممکن امداد کروں گی ——— جو کتابیں میرے پاس ہیں میں دوں گی اور اگر میرے پاس نہ ہوئیں تو تم کو قیمت دے دیا کروں گی۔ تم بازار سے خرید لینا ———"

نفیس نے کہا" ابا جان بھی تمہارے اس شوق سے خوش ہوں گے۔
وہ ایسے لوگوں کی ہر ممکن امداد کرتے ہیں"۔
اگر آپ لوگوں نے توجہ اور ہمت افزائی کی تو میں یقیناً اپنے ارادوں
میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔
میں وعدہ کرتی ہوں ——— "جلیس نے مجھے اطمینان
دلاتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد میں باہر آگیا۔
اور اپنا بستر اُٹھا کر برآمدے میں لے آیا۔ مارچ کا مہینہ تھا۔ بلقیس نفیس
اور جلیس اپنے کمروں میں سوتی تھیں لیکن میں کھلی ہوئی ہوا میں رہنے اور
سونے کا عادی تھا اس لئے دوسری منزل کے برآمدے ہی میں ———
سوتا تھا ———

میں نے اپنا بستر لگایا اور دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جلیس نفیس کے کمرے
سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور اندر سے چٹخنی لگا دی۔
ان کے جانے کے بعد ہی نفیس نے جھانک کر برآمدے کی طرف دیکھا
اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ نصف گھنٹہ کے بعد بلقیس آئیں۔ میں اپنے
بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے کمرے کے دروازے پر پہونچ کر میری
طرف دیکھا پھر نفیس اور جلیس کے دروازے کی طرف اور دبے پاؤں
میرے پاس آگئیں۔
میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش

رہنے کا اشارہ کیا اور جھک کر آہستہ سے کہا۔

"——— میرے کمرے میں آکر دوا پی لو ———"

وہ جواب کا انتظار کئے بغیر اسی طرح دبے پاؤں واپس چلی گئیں۔

اگرچہ نفیس کی باتوں سے میں بہت متاثر ہو چکا تھا اور اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا۔ کہ محتاط رہوں گا۔ لیکن شام کے واقعات اور اس وقت ان کے شوق کی بے حجابیوں نے دل میں نئی امنگیں پیدا کر دیں۔ اس لئے میں پھر اُن کے قریب کے لئے بے چین ہو گیا۔ اور ۱۰ منٹ تک ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اپنی جوان تمناؤں کے ساتھ میں اُن کے کمرے میں پہونچ گیا۔

وہ شب خوابی کا لباس پہن کر دریچہ کے پاس کھڑی ہوئی اپنی انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں اور شائد میری ہی منتظر تھیں کیونکہ میرے پہونچتے ہی ان کا چہرہ تمتما اٹھا اور جوش سے آنکھیں چمکنے لگیں۔

میں نے قریب پہونچ کر کہا "دوا دیجئے ———"

"ہاں ——— ابھی لو ———"

انھوں نے الماری سے شیشی نکال کر مجھ کو ایک خوراک دوا پلا کر ایک الائچی دی اور مجھ سے پوچھا۔

دوا زیادہ بدمزہ تو نہیں ہے ———؟"

"جی نہیں ——— لیکن تیز ضرور ہے ———"

"نزلہ کی تیر بہدف دوا ہے ——— صرف دو ہی خوراکیں اس کے اثرات کو زائل کر دیتی ہیں ———"

"میرے لئے تو صرف ایک ہی خوراک کافی ہو گی ———" میں نے الائچی کے دانے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"——— معمولی سی تحریک ہوتی ہے ———"

"ہاں ٹھیک ہے ——— لیکن پھر بھی احتیاطاً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد ایک خوراک اور پی لینا۔

"تو پھر شیشی مجھے دیدیجئے تاکہ آپ کی نیند میں خلل نہ پڑے"!

"نہیں ——— میں اس وقت تک جاگتی رہوں گی ———"

انھوں نے سنگار میز سے اپنی کلائی کی گھڑی اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی ۱۰ بجنے میں ۱۵ منٹ باقی ہیں ——— تم ۱۲ بجے آجانا ———"

"تو کیا آپ اتنی رات تک جاگتی رہیں گی ———؟"

"ہاں ——— میں آج بارہ بجے تک کتاب پڑھوں گی ———"

"بہت اچھا ———"

میں واپس جانے لگا تو انھوں نے مجھ کو ٹھہرا کر میرے پاس آتے ہوئے کہا۔

اگر تم کو نیند آجائے تو سو جانا میں جگا لوں گی ———"

"آپ کیوں اس قدر زحمت اٹھا رہی ہیں ــــــ"

انھوں نے مجھے پر شوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سہراب! مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ ابھی جلیس اور نفیس جاگ رہی ہوں گی اس لیے میں نے تم کو ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھا ــــــ اچھا تم جاکر اپنے بستر پر لیٹ جاؤ ــــــ"

بلقیس کے کمرے سے میں باہر آیا تو مجھے چکر سا آنے لگا۔ میری حالت کچھ شرابیوں جیسی ہو رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ یکایک مجھ کو کیا ہو گیا ہے بہ مشکل تمام لڑکھڑاتا ہوا میں اپنے بستر تک پہونچا اور لیٹ گیا لیکن مجھے نیند نہ آئی۔ میں کروٹیں بدلتا رہا۔ بار بار بلقیس کی شکل نگاہوں میں پھر جاتی۔

کئی بار ایسا معلوم ہوا جیسے کہ وہ اپنے دروازے پر کھڑی مجھ دیکھ رہی ہے لیکن یہ میرا وہم تھا۔

میں نے آنکھیں بند کریں اور سو جانے کی کوشش کی لیکن ایک تشنجی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ تمام رگیں کھنچی جا رہی تھیں۔ معلوم نہیں اس دوا میں کیا اثر تھا جسے پیتے ہی میرا یہ حال ہو گیا تھا۔

نفیس اور جلیس نے اپنے کمروں میں سفید روشنی گل کر کے سبز برقی قمقمے روشن کر دیئے تھے اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب پلنگ پر دراز ہو چکی ہیں۔

میں کچھ دیر بعد اپنے بستر سے اٹھا دبے پیروں کے بل چل کر نفیس کے کمرے کے سامنے ٹھہر گیا اور دروازے پر کان لگا کر اندر کی آہٹ لینے لگا لیکن یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ سو چکی ہیں یا بیدار ہیں۔ اس وقت میرا دل زور زور سے دھڑک

رہا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو رہا ہے۔ میرا ضمیر مجھ کو ملامت کر رہا تھا لیکن ہاتھ پیروں کا تشنج مجھے مجبور کر رہا تھا کہ اسی وقت بلقیس کے کمرے میں پہونچ کر اس کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لوں۔

وہ میرے ہر جذبہ کا پُر تپاک خیر مقدم کریں گی۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں کچھ دیر تک دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر اپنے بستر پر آکر بیٹھ گیا۔ اور بلقیس کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔

دروازہ بظاہر بند تھا لیکن انھوں نے اندر سے چٹخنی نہیں لگائی تھی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ایک ستون کا سہارا لے کر پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔

یہاں سے وہ جگہ صاف نظر آ رہی تھی۔ جہاں میں نے پہلی بار بلقیس کو اپنی آغوش میں لیا تھا۔

شام کے واقعہ کا خیال آتے ہی میں نے جھرجھری لی اور مجھے اپنے کانوں کے پاس بلقیس کی گرم سانس محسوس ہوئی۔ دل کی رفتار پھر تیز ہو گئی اور طبیعت میں انتشار پیدا ہونے لگا۔

میں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا اور اسی عالم میں تیز قدم اٹھاتا ہوا بلقیس کے کمرے کے پاس گیا لیکن دروازہ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لوٹ آیا۔

میں پھر کھلے ورانڈے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ چاندنی رات پائیں باغ پر

نور برسا رہی تھی، اور اپنے جذبات سے بے خود ہو رہا تھا۔ شیطان مجھے اکسا رہا تھا، ضمیر سمجھا رہا تھا۔

دل چاہتا تھا کہ بلقیس کے کمرے میں جا کر بے تحاشا لپٹ جاؤں اسے اس زور سے دباؤں کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں اور وہ مجھ میں پیوست ہو جاوے۔

یکایک مجھے آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو بلقیس میرے پاس ننگے پیروں کھڑی تھی۔

میں نے گھبرا کر بولنا چاہا۔ لیکن اس نے انگلی اپنے لبوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

میں کچھ کہہ نہ سکا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے کمرے کی طرف چلدی، میں ایک معمل کی طرح اس کے ساتھ ہو لیا۔ کمرے میں بیٹھ کر بلقیس نے مجھ سے کہا۔

تم نے دوا کی دوسری خوراک نہیں پی، میں تمہارے ہی انتظار میں اب تک سوئی نہیں تھی۔ معلوم نہیں کیوں تمہاری بیماری سے مجھے تکلیف ہو گئی ہے۔

میں بلقیس کو بھوکے شیر کی مانند دیکھ رہا تھا اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں جیسے کہ اس نے شراب پی ہو۔

میں نے وارفتگی کے عالم میں بلقیس کو پیار کر لیا ——— لیکن پھر خود مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے گھبرا کر کہا۔

"معاف فرمایئے گا، میں اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے۔ جب سے آپ نے دوا پلائی ہے میں جیسے نشہ کی سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔

بلقیس نے کہا "تم بڑے شریر ہو، کوئی دیکھ لیتا تو کیا ہوتا۔ خیر یہ دوسری خوراک پی لو ٹھیک ہو جاؤ گے"۔

اس کے بعد اُنھوں نے میز پر سے دوا کا چھوٹا گلاس اٹھا کر مجھے دیدیا اور میں سرخ سرخ دوا کا گھونٹ حلق سے اتار گیا۔

دوا کے پیتے ہی میری حالت پہلے سے بھی بدتر ہونے لگی۔ میں اپنے تئیں کسی اور دنیا میں محسوس کرنے لگا۔

نہ مجھے اپنی کمتری کا خیال رہا نہ بلقیس کی برتری کا۔ نہ مجھے اپنی بیوہ ماں اور بہن یاد آئیں نہ ٹھیکیدار صاحب کی پرجلال صورت۔

میں نے بلقیس کو گود میں اٹھا کر پیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپی اور بولی۔

کیا کر رہے ہو سہراب، دروازہ کھلا ہوا ہے ——— کوئی آ نہ جائے

میں نے کوئی جواب نہ دیا، اسے گود میں لئے ہی لئے میں دروازے کی طرف بڑھا اور جا کر اس کی سٹکنی لگا کر پھر بلقیس کو لئے ہوئے اس کے پلنگ کی طرف لوٹ آیا، اب بلقیس نے بھی اپنے ہاتھوں سے مجھے پکڑ لیا تھا۔

میں نے اسے پلنگ پر لٹاتے ہوئے کہا۔ بلقیس تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے مجھے شراب پلا دی ہے۔ تم مجھے معاف کرنا میں اپنے ہوش میں نہیں ہوں۔

بلقیس نے مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "طبیعت کیسی ہے اب تمہاری ——"

میں نے کہا "سر درد کر رہا ہے اور ہاتھ پیروں میں درد ہو رہا ہے۔ مگر ——"

"تم بھی پلنگ پر لیٹ جاؤ" بلقیس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچتے ہوئے کہا اور خود سفید روشنی بند کر کے، ہلکی سبز رنگ کی روشنی کا سوئچ دبا دیا۔

میں پٹی پر بیٹھ گیا لیکن انھوں نے زبردستی لٹا دیا۔ اور میرا سر دبانے لگیں۔ میں نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ سے کہا۔

"سرکار آپ نے یہ کیا کر دیا ——؟"

میرا سر سہلاتے ہوئے بولیں "میں نے کر دیا یا تم نے"

"بھلا میری یہ مجال ہو سکتی تھی میں تو آپ کا تابعدار ہوں ——"

بلقیس نے مجھے لپٹاتے ہوئے کہا "اس وقت ایسی باتیں نہ کرو۔

"پھر کیا کروں" میں نے انھیں پیار کرتے ہوئے کہا۔

بلقیس نے کہا "یہی جو کر رہے ہو"

وہ برابر سر سہلاتی رہیں۔ میں نے کہا "سرکار! آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں ——"

"مجھے سرکار نہ کہا کرو سہراب" انھوں نے اسی طرح سر سہلاتے ہوئے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"——— سب کے سامنے تو جو جی میں آئے کہنا ———
مگر اس وقت میں صرف بلقیس ہوں، بلقیس تمہاری بلقیس ———"

"اچھا تو اب سر نہ دبایئے ———"

"اس وقت جی جناب سے بھی گفتگو نہ کرو ———"

میں نے اُن کے ہاتھ پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر کہا "——— اچھا بس
——— اب سر نہ دباؤ ———"

"پھر کیا دباؤں ——— انھوں نے شرارت آمیز تبسم
کے ساتھ کہا۔

"تم کو دباؤں ———؟"

میرا عضو عضو پھڑک رہا تھا اور آغوش ان کو اپنی گرفت میں لینے
کے لئے بے قرار تھے۔ میں نے کہا۔

"ہاں ———"

دوسرے لمحہ وہ میرے اوپر آگئیں اور میرے سینہ پر اپنا گداز سینہ
رکھ کر میرے لب سے لب ملا دیئے۔

میں اب بالکل ہی بے ہوشی کے عالم میں تھا اس لئے میں نے بھی
گرم جوشی کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ اور ان کی پشت پر اپنے دونوں ہاتھ
رکھ کر ان کو اس زور سے دبایا کہ وہ کس مساکر رہ گئیں لیکن لب سے
لب پیوست رہے۔

میرے ہاتھ پیر اور عضو عضو اس شدت سے کھنچ رہے تھے کہ میں نے

اسی حالت میں ان کو اپنے پہلو میں گرالیا اور اپنے بازوؤں اور ٹانگوں میں دبوچ کر ان کے لب و رخسار پر بوسوں کی بارش کر دی۔

کسی عورت سے اس طرح لطف اندوز ہونے کا میرے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔

میں نے جس راستہ پر قدم ڈالا تھا اس کی منزل سے میں ناواقف تھا لیکن فطرت اور بلقیس دونوں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔

میرے تنفس کی رفتار تیز ہو چکی تھی بلقیس نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے ٹھنک کر کہا۔

"للہ ——— روشنی گل کر دو ———"

میں نے ان کو زور سے بھینچ کر ان کے لبوں پر ایک بار پھر مہر محبت ثبت کر دی اور اٹھ کر روشنی گل کر دی۔ دریچے کھلے ہوئے تھے اور باہر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اس لئے بہت جلد کمرے کی ہر چیز واضح اور صاف نظر آنے لگی۔

میں جیسے ہی پلنگ کے قریب پہونچا بلقیس نے مجھے کھینچ لپٹا لیا اور میرے چہرے کے بوسے لینے لگیں میں نے اسی حالت میں ان کو اٹھا لیا اور زور سے بھینچ کر کہا۔

"سرکار ———"

"سرکار نہ کہو ——— میری جان ——— سہراب ———
مجھے بلقیس کہو ——— بلقیس ———"

"بلقیس ——"

"سہراب ——"

میں ان اسی طرح اپنی آغوش میں لئے ہوئے دریچہ تک آیا اور پھر پلنگ کے پاس پہونچ کر ان کو لٹا دیا۔ انھوں نے میرے لبوں سے لب ملاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے سے جدا نہ کرو سہراب —— آؤ میرے پہلو میں لیٹ جاؤ ——"

میں اس وقت ایک معمل کی طرح بالکل بلقیس کے بس میں تھا۔ وہ جو کہہ رہی تھیں میں کر رہا تھا۔ نشہ میں مجھے نیک و بد کی تمیز نہ رہ گئی تھی۔ میں ان کے پاس ہی لیٹ گیا۔ اس وقت مجھے یہ بھی احساس نہ تھا کہ میں ان کا چار ٹکے کا نوکر ہوں۔

وہ بھی مجھ سے ایسی بے تکلف ہوگئی تھیں کہ مجھے شرم آئی جا رہی تھی انکا چینی کوٹ نما جمپر ٹبنوں کے کھل جانے سے علیحدہ ہوگیا تھا اور ان کا گورا گورا بدن اب مجھے ایسا روشن نظر آرہا تھا جیسے بدلی میں چاند نظر آتا ہے

آج زندگی میں پہلی بار ایک نوجوان اور خوبصورت عورت کو اپنے قبضہ قدرت میں پاکر جو کچھ مجھ سے بوالعجبیاں ہوسکتی تھیں وہ سرزد ہونے لگیں۔

بلقیس بالکل نڈھال ہوتی جا رہی تھیں دو ایک بار انھوں نے اپنے جسم کی لطیف جنبشوں سے مجھے میدان شباب میں ایک قدم اور آگے بڑھانے

کی کوشش کی۔

اس وقت مجھے ہر چیز سے مستی ٹپکتی نظر آ رہی تھی اور ہر طرف کیف و سرور کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے بلقیس کی تخلیق صرف میرے ہی لئے ہوئی ہے۔ قدرت نے اسے صرف میری ہی جوان تمناؤں کا خیر مقدم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور میں صرف بلقیس ہی پر نہیں بلکہ کائنات پر چھایا جا رہا ہوں۔

بلقیس نے مجھے دنیا کی ایک نئی مسرت سے آشنا کرا دیا تھا۔ میں اس پر فدا ہوا جا رہا تھا۔

اسی عالم میں رات گذر گئی۔ صبح جب میں اپنے بستر پر واپس آیا تو مشرق سے سپیدہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور باغ میں پرند چہچہا رہے تھے۔

۴

صبح مجھے نفیس نے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ ہر طرف دھوپ پھیل چکی تھی میں نے انگڑائی لے کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ کہیں جانے کے لئے کپڑے پہن چکی تھیں۔ میرے بیدار ہوتے ہی انھوں نے کہا۔

"——— کیا بات ہے سہراب ——— آج اب تک سوتے رہے ——— تم تو سب سے پہلے اٹھتے تھے ——؟"

تمام رات نیند نہیں آئی۔ سر اور ہاتھ پیروں میں درد ہے ———

نزلہ ہو گیا ہے"۔

رات کی تکان اور جاگنے کی وجہ سے واقعی اس وقت میرا سر پھٹا جا رہا تھا۔ میں اٹھ کر اپنا بستر تہ کرنے لگا۔

جلیس بھی اپنے کمرے سے نکل آئیں اور میرے قریب پہونچکر پوچھا کیسی طبیعت ہے کیا درد کم نہیں ہوا ——؟"

"جی نہیں —— تمام رات الجھن رہی"

جاگنے کی وجہ سے میری آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں نفیس نے کہا۔

آنکھیں بھی تو سرخ ہو رہی ہیں ——"

"دوائی پی تھی رات کو ——؟" جلیس نے دریافت کیا۔

"جی ہاں ——"

جلیس نفیس سے زیادہ پریشان نظر آ رہی تھیں۔ میں جیسے ہی اپنا بستر لے کر کھڑا ہوا انھوں نے کہا۔

بستر سامنے کمرے میں رکھ دو اور ڈاکٹر کے پاس جاؤ"۔

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"—— جی نہیں —— ڈاکٹر کے پاس جا کر کیا کروں گا۔ معمولی نزلہ ہے شام تک ٹھیک ہو جائے گا"۔

"خیر ——" جلیس نے کہا۔

"تم بستر تو سامنے والے کمرے میں رکھ دو —— اس وقت گرم گرم چائے پی لو ——"

نفیس نے جلیس سے دریافت کیا "—— تمہارے پاس اسپرو ہو تو دیدو ——"

میں کمرے میں چلا گیا۔ وہ دونوں بالکنی کے پاس کھڑی ہوئی باتیں رہیں۔ جب میں بستر رکھ کر واپس آیا تو نفیس نے کہا۔

"آج تم کام نہ کرو ——"

میرے جواب سے قبل صاحب آ گئے۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کیا ابھی سو کر اٹھے ہو ——؟"

"طبیعت خراب ہے رات سے —— جلیس فوراً ہی بول اٹھیں۔

نفیس نے کہا۔ "میں نے کہدیا ہے کہ آج کام نہیں بلکہ آرام کرو ——"

میاں کے چال چلن سے قطع نظر میں ان کے اخلاق اور انسانی ہمدردی کا قائل ہو چکا تھا۔ انھوں نے فوراً میری کلائی پر رکھدیا اور ایک ساعت بعد بولے۔

"—— ہاں حرارت ہے —— سہراب تم ڈاکٹر مختار کے پاس چلے جاؤ —— منشی جی سے پرچہ لے لو ——"

جلیس بول اٹھیں۔

یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی —— نزلہ بہت ڈیم فول مرض

ہوتا ہے ——— انسان کے دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے"۔

میاں نے بلقیس کے کمرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا بلقیس سو رہی ہے ——— بڑی بیڈھب سونے والی ہے"۔

وہ اپنی لڑکیوں سے باتیں کرتے ہوئے نفیس کے کمرے کیطرف بڑھے لیکن ٹھہر کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"سہراب خاں ——— میں آج بریلی جا رہا ہوں ابھی ۱۰ بجے کار پر جاؤں گا ——— میری عدم موجودگی میں لڑکیوں کا خیال رکھنا ——— مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے ———"

"میں آپ کا تابعدار ہوں ——— کہنے کی کیا ضرورت ہے ———"

نفیس نے کہا" واقعی سہراب خاں بہت شریف سیدھے اور بے ضرر ہیں ———"

میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں ——— بلقیس نفیس اور جلیس بھی تم سے بہت خوش ہیں۔ اور تمہاری بہت تعریف کرتی ہیں ——— اچھا تم منہ ہاتھ دھو کر فوراً ڈاکٹر صاحب کے پاس جاؤ ———"

"بہت اچھا ———"

"دیکھو میری عدم موجودگی میں ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو ——— میں پرسوں دن کو واپس آ جاؤں گا ———"

وہ نفیس اور جلیس کے ساتھ بلقیس کے کمرے میں چلے گئے۔

میں نے نیچے جاکر منہ ہاتھ دھویا اور میاں کے حکم کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے پاس چلا گیا اور جب واپس آیا تو وہ جا چکے تھے۔ زنان خانہ کے باہر کار کھڑی ہوئی تھی اور اس پر نفیس اور جلیس بیٹھی ہوئی تھیں۔

نفیس نے مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا "_____ دوا لے آئے _____؟"

"جی ہاں _____ یہ ہے" میں نے دوا کی شیشی دکھاتے ہوئے کہا۔

"دو ایک خوراک کے بعد طبیعت ٹھیک ہو جائیگی۔ نفیس نے اطمینان دلایا۔

جلیس خاموش بیٹھی ہوئی مجھے دیکھتی رہیں۔ میں نے جیسے ہی جانے کا ارادہ کیا نفیس نے کہا۔

سہراب خاں! آپا بی کو بھیج دینا _____ کہدینا کہ دیر ہو رہی ہے _____"

بلقیس مجھے زینے پر ملیں۔ نگاہیں چار ہوتے ہی مجھے عجیب انداز میں دیکھا اور مسکرا کر پوچھا

"کیسی طبیعت ہے _____؟"

"ٹھیک ہوں _____ تمہارا کیا حال ہے"۔ وہ ٹھہر گئیں _____

"جوڑ جوڑ توڑ کر رکھ دیا اور اب حال پوچھ رہے ہو"
میں بھی ان کو تھکے ہوئے بیل کی طرح دیکھنے لگا لیکن نفیس اور جلیس کا خیال آتے ہی میں نے ان سے کہا۔

"منجھلی سرکار کار پر انتظار کر رہی ہیں"۔

ان لوگوں کا خیال آتے ہی وہ بھی جلد جلد زینہ طے کرنے لگیں میں اسی جگہ کھڑا ہوا ان کو دیکھتا رہا۔ آخری زینہ پر پہونچ کر انھوں نے میری طرف پلٹ کر دیکھا اور کہا۔

"ہم لوگ ایک گھنٹہ کے اندر ہی اندر واپس آجائیں گے ——؟"

میں دوسری منزل پر پہونچ گیا۔

چھوٹی اور منجھلی سرکار اور میاں کے کہنے سے میں دوا لے آیا تھا ورنہ مجھے کوئی شکایت نہ تھی۔ صرف تکان اور جاگنے کی وجہ سے طبیعت مضمحل تھی۔ اور سر میں درد پیدا تھا اور اب قدرے سکون ہو چلا تھا۔ کوٹھی خالی پڑی ہوئی تھی۔ فہمین اور منی کی ماں دالان میں ——— تھی۔

میں نے دوسری منزل کے غسل خانہ میں غسل کیا کپڑے پھینچ کر پھیلائے اور ان لوگوں کی واپسی تک بالکل چاق و چوبند ہو گیا۔

لیکن اب میرا ضمیر مجھ کو ملامت کر رہا تھا۔ میں نے رات کو جو کچھ بھی کیا تھا اس پر ندامت محسوس کر رہا تھا۔ مجھ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

جس تھالی میں کھانا اسی میں چھید کرنا شریفوں کا شیوہ نہیں لیکن اس میرا کیا قصور تھا۔ مجھے شراب پلا کر بدمست بنا دیا گیا تھا۔ میں اپنے ہوش ہی میں نہ تھا اس لیے عذاب و ثواب کی ذمہ داری بلقیس ہی پر آتی تھی میرا ضمیر بھی یہی سمجھ کر مطمئن ہو گیا۔

میں بالکنی میں بیٹھ گیا اور گذشتہ واقعات پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔

ٹھیکہ دار صاحب نے مجھ کو اس وقت پناہ دی جب میں ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا انھوں نے اس وقت کھانا کھلوایا۔ جب میں پردیس میں تھا اور میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ انھوں نے مجھ کو رہنے کے لئے جگہ دی۔ بستر دیا اور دوسرے روز پہننے کے لئے کپڑے دیئے اور جب میں انکے ماحول سے اکتا کر ملازمت چھوڑ دینے پر مجبور ہو گیا تو انھوں نے مجھے زنان خانے میں بھیج دیا۔ اور برابر میری خیریت دریافت کرتے رہے۔ لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ مجھے نہ کرنا چاہیئے تھا۔

نشہ میں اس حرکت کے سرزد ہونے کے باوجود میں اسے جرم ہی تصور کر رہا تھا۔

کسی کو بھی اس واقعہ کا علم ہو جاتا تو مجھے ہی مورد الزام سمجھتا۔ بلقیس نے مجھے کس طرح اپنے نفس کا شکار بنایا اسے کوئی سچ نہ مانتا۔ عورت اور پیسہ والوں کا سیر ہمیشہ سوا سیر کا ہوتا ہے۔

میں گھبرا کر دیوانوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اور بالکنی میں ٹہلنے لگا۔ سامنے باغ میں صف بستہ پودے ہوا کے جھونکوں سے جھوم رہے تھے۔ اس طرح لہرا رہے تھے جس طرح گذشتہ شام کو بلقیس لہرا کر میری آغوش میں آ گئی تھیں۔

جس طرح رات کو مجھے ہر طرف کیف و سرور کی بارش ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی اسی طرح اس وقت فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ پرندچہچہا کر میری رات کی خوش فعلیوں اور شباب کی بوالعجبیوں کا تمسخر اڑا رہے تھے۔ میں اس منظر سے متاثر ہو کر گذشتہ واقعات اپنے گذشتہ رات کے گناہوں کا تجزیہ کرنے لگا۔

کوٹھی میں ملازمت، ٹھیکہ دار صاحب کی مے نوشی، اور اوباشی بیشک وہ زندگی میں میرے لیئے پہلی تحریک تھی۔ اس کے بعد بلقیس کی پر شوق نگاہیں، شباب کی بے حجابیاں، جنسی ترغیب، اقتضائے فطرت دو جسموں کا اتصال اور اس کے نتائج ——— ؟ ——— بے شک یہی ہونا چاہیئے تھا۔

ٹھیکہ دار صاحب کی آزاد خیالی اور اوباشی نے ان کو نیک و بد میں تمیز کی صلاحیت سے محروم کر دیا تھا ——— محض اپنی ہوس پرستی اور لذت نفس کے لیئے انھوں نے اپنی لڑکی کی سہیلیوں کو اپنی ہوس کا شکار بنانا شروع کر دیا تھا ——— وہ جانتے تھے کہ ایڈنا بلقیس کی عزیز ترین سہیلی ہے۔ اور وہ کس آسانی کے ساتھ خود کو

ان کے سپرد کر چکی تھی۔ کیا وہ دوسروں کے معاملہ میں بلقیس کو ایسی ہی ترغیب نہ دے گی۔

——— لیکن اب ان کا کردار اتنا پست ہو چکا تھا کہ وہ ان پہلوؤں پر غور کرنے سے قاصر تھے ——— وہ ایک ایسے راستہ پر گامزن تھے جو ان کو قعرِ مذلت کی طرف لئے جا رہا تھا لیکن ان کو اس کا احساس نہ تھا ——— ان کو اس کا بھی احساس نہ تھا کہ ہر راہرو اپنے پیچھے نقشِ قدم چھوڑتا ہوا جاتا ہے۔ وہ خواہ ہلکے ہوں یا گہرے ——— دوسرے بھی اسی نقشِ قدم پر چلنے کا حق رکھتے ہیں ——— بلقیس بھی انھیں کی لڑکی تھی ——— ان کی تفریح کا آلہ ایڈنا کی سہیلی ——— جوان ——— آزاد خود مختار ——— صلاحیت۔ ترغیب ——— اور تنہائی انسان کو گناہ پر مجبور کر دیتے ہیں ——— میں اور بلقیس دونوں زندگی کے خطرناک ترین لمحات کو ٹال نہ سکے اور ——— جو کچھ ہوا ——— کیا یہ تباہی نہ تھی؟ ——— بربادی نہ تھی ——— اور اگر تھی تو وہ کس کی ———؟

جیسے ہی ذہن میں یہ سوال آیا اور میں نے پہلے بلقیس کے متعلق غور کرنا شروع کیا۔ زیب النساء اور بلقیس کی گفتگو ——— وہ یقیناً پہلے ہی سے اس لذت سے آشنا تھیں ——— اور ہونا بھی چاہیے تھا جس کی لڑکی کی سہیلیاں خود اس کا آلۂ تفریح بنتی ہوں اور تنہائی

میں کہتی ہوں کہ وہ مردوں کو صرف تفریح کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ اس لڑکی کا کردار کیسا ہوگا ——— خود نفیس نے مجھ سے کہا تھا کہ بلقیس پہلے ایسی نہ تھیں ——— یعنی وہ جو پہلے تھیں اب ویسی نہ تھیں بلکہ کچھ فرق ہو گیا تھا۔ اور یہ فرق غالباً عصمت و عفت کا تھا۔

ڈرائیور سے ان کی بے تکلفی دوسری لڑکیوں کی موجودگی میں اسکا ان کے جسم کے حصوں کو بار بار چھونا ——— یہ اس کی دلیل تھی کہ وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھیں۔ اور محض اپنی لذت کے لئے ایسا کرتی تھیں یا دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی تھیں۔

اپنی غلطیوں کو جائز قرار دینا۔ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سر تھوپنا اور اس کے لئے استدلال پیش کرنا انسان کی فطرت ہے۔

میں بھی انسان تھا اور اس وقت اس ذہنی کوفت اور روحانی اذیت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان گناہوں اور غلطیوں کا ذمہ دار پہلے ٹھیکیدار صاحب کو ٹھہرایا اور پھر بلقیس کو ——— جنھوں نے مجھ کو پہلے ہی روز سے محبت پاش نظروں سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ تنہائی میں مجھ سے سر اور شانے دبوائے تھے اور پھر شام کو جب شفق کی روشنی غائب ہو کر ہر طرف تاریکی پھیلنے لگی تھی تو لہرا کر میری آغوش میں آ گئی تھیں، اور میرے بوسے لے کر دعوت گناہ دی تھی۔

میں باکلتی میں ٹہلنے لگا۔ میرا ضمیر قدرے مطمئن ہو چکا تھا اور اب میں خود کو ان گناہوں کا ذمہ دار نہیں سمجھ رہا تھا

کپڑے خشک ہو چکے تھے۔ میں کپڑے پہن کر نیچے آیا۔ منی کی ماں نے کہا۔

"سہراب خاں ـــــــ کھانا تیار ہے ـــــــ کھالو تینوں بیٹیاں دعوت میں گئی ہیں"!

میں نے کھانا کھایا اور برآمدے میں جا کر آئینہ صاف کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد تینوں بہنیں آگئیں۔

بلقیس نے کار سے اترتے ہی مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"نفیس تو کہہ رہی تھیں کہ تمہاری طبیعت ناساز ہے اور تم برآمدے کی صفائی میں لگے ہوئے ہو"!

"کیا کروں ـــــــ بے کار نہیں بیٹھا جاتا"!

میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت ان کے رخسار تمتمائے ہوئے تھے اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

میں نے نفیس اور جلیس کی طرف بھی دیکھا لیکن اب مجھ کو بلقیس میں زیادہ کشش معلوم ہو رہی تھی۔

چشم زدن میں رات کے واقعات میری آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔

بلقیس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ اور تینوں بہنیں کار سے اتر کر برآمدے میں آگئیں۔

جلیس نے میرے قریب پہونچتے ہی آہستہ سے کہا۔

"سہراب تم کو آرام کرنا چاہیئے ——"

"ہاں —— نفیس نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ——"

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو تم کو بھی تکلیف ہوگی اور ہم لوگوں کو بھی"

"جی نہیں —— اب میں بالکل ٹھیک ہوں معمولی نزلہ ہے ——"

تینوں ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ ڈرائیور سیڑھیوں کے قریب کھڑا ہوا مجھ کو گھور رہا تھا۔ میں بھی آئینہ صاف کرکے اندر چلا گیا۔

بلقیس کو دیکھتے ہی میری طبیعت میں جولانی پیدا ہونے لگی تھی۔

ایک بچے زیب النساء آئی اور مجھے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بلقیس کے کمرہ میں چلی گئی۔

نفیس نے شاید اس کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنے کمرہ سے نکل آئیں اور مجھے بالکنی میں تنہا کھڑا ہوا دیکھ کر میرے پاس آگئیں اور کہنے لگیں۔

"—— وہ حرام زادی آئی ہے —— دیکھو اس کو منہ نہ لگانا ——"

"—— آپ اطمینان رکھئے —— مجھے خود بھی خیال ہے ——"

وہ جلیس کے کمرے میں چلی گئیں۔ میں کچھ دیر تک ان کے حسین پیکر متناسب اعضاء، شباب اور مسکراہٹ کی دلاویزیوں میں کھویا رہا۔

نیچے منی کی اماں اپنے شوہر سے لڑ رہی تھیں۔ وہ عموماً اسی وقت اپنے شوہر سے دو دو چونچیں کر لیتی تھیں۔

میں دوسری بالکنی میں پہونچ کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے دیکھتے ہی منی کی اماں نے کہا۔

"سہراب خاں ——— بھیّا سچ سچ بتانا۔ میں صبح سے اب تک یہاں سے ہلی ہوں ———"

"نہیں ——— کیوں کیا بات ہے ———؟" میں نے پوچھا۔

"بات کیا، جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتا ہے!" منی کی اماں نے رونی آواز میں کہا۔

منی کے ابا نے آہستہ سے پھر کچھ کہا اور اس کی بیوی تڑپ کر بولی

"——— اب تک تو نہیں کیا لیکن اب دکھا دوں گی ——— جاؤ جو کچھ کر سکتے ہو کر لینا ———"

دونوں کا لہجہ تیز ہونے لگا لیکن فہیم نے ڈانٹ کر دونوں کو خاموش کرا دیا۔

میں اس جگہ سے ہٹ کر نیچے جانے والا تھا کہ زیب النساء دروازے پر آئی اور مجھے اشارے سے کمرے کے اندر بلایا۔

میں کمرے میں پہونچا تو دونوں کو ایک ہی صوفے پر بیٹھا ہوا پایا۔
زیب النساء مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ اس مسکراہٹ سے میں نے سمجھ لیا کہ
بلقیس نے اس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔
میں مرد تھا لیکن اس کے باوجود اس کا احساس ہوتے ہی میں قدرے
متوحش ہو گیا۔ زیب النساء اسی طرح بیٹھی ہوئی ہنس رہی تھی۔ میں نے
اس سے پوچھا۔
"فرمایئے ——— کیا کام ہے ———؟"
"کام ———؟" اس نے شرارت آمیز لہجہ میں کہا۔
"کام اپنی سرکار سے پوچھو ———"
"——— لیکن بلایا تو آپ نے ہے ———"
"ہاں ——— لیکن کام یہی بتا سکتی ہیں ———"
اس کے لطیف جملوں سے محظوظ ہوتے ہوئے میں نے کہا۔
"——— بہر حال اگر آپ ہی بتا دیں تو کیا ہرج ہے ———
کیا میں آپ کی حکم عدولی کر دوں گا ——— میں تو آپ لوگوں کا
خادم ہوں ———"
"شکریہ ——— زیب النساء کے باریک دانت چمکنے لگے ———
"——— لیکن انسان سے اتنا کام بھی نہ لینا چاہیئے کہ وہ اکتا
جائے ———"
"یہ تو ٹھیک ہے ——— لیکن میں ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ

معمولی کاموں سے تھک جاؤں ——"

میں اس کی گفتگو کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ وہ اوّل تو خود ہی انتہائی شوخ بیباک اور آزاد خیال تھی علاوہ ازیں بلقیس نے مجھے جس حد تک گستاخ کر دیا تھا اس کے پیش نظر یہ گفتگو کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی اس لئے میں بے تکلفی کے ساتھ اس سے باتیں کرتا رہا۔

بلقیس نے اسے متعدد بار خاموش کرانے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ مانی تو انھوں نے مجھ سے کہا۔

"تم ان کی باتوں میں نہ آؤ —— جاؤ اپنا کام کرو۔ ان کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے"

جب میں جانے لگا زیب النساء نے کہا —— "ابھی آؤ گے ——؟"

"کیا کوئی خاص کام ہے ——؟" میں نے مسکرا کر اسی لہجہ میں پوچھا۔

"اب مجھ سے بھی ناز کرنے لگے ——"

"کیا ناز کرنا گناہ ہے ——" میں نے چلتے چلتے کہا۔

"گناہ کوئی چیز نہیں —— جس کام کو دل گوارا نکرے وہ گناہ ہے ——"

میں نے ہنس کر کہا "معلوم ہوتا ہے —— آپ مجھے بھی

اپنا ہم خیال بنائیں گی۔"

"ایک ہی رات میں فلسفی ہو گئے۔"

اس وقت میری طبیعت موزوں تھی۔ میں نے کہا" یہ سب آپ کی صحبت کا فیض ہے۔"

"میری یا ان کی ——— ؟" زیب النساء نے بلقیس کی طرف اشارہ کیا۔

"سہراب جاؤ ——— تم بھی کس کی باتوں میں پڑے ہوئے ہو ———"

میں باہر آ گیا لیکن میرے جاتے ہی زیب النساء نے ہاتھا پائی شروع کر دی۔ یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

بلقیس کی پھنسی پھنسی اور بھنچی بھنچی آوازوں سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ان کو پریشان کر رہی ہے۔

نفیس جلیس کے کمرے میں ہلکے سروں میں گا رہی تھیں۔ ان کی آواز سنتے ہی میں دروازے کے پاس سے ہٹ کر بالکنی میں پہونچ گیا۔ اور گانا سننے لگا۔

نفیس کی آواز میں بلا کی کشش تھی۔ گانا سن کر میرا دل خود بخود کھنچے لگا وہ اس وقت غالب کی یہ غزل گا رہی تھیں۔

"رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو"

جلیس نے کہا" اچھی آپا ——— ہارمونیم پر

SUBHAN KITABWALA
825/6, Chitla Gate, Chawri Bazar
DELHI-6, #8860171830

گائیں ـــــ"

نہیں بھئی ـــــ اس وقت نہیں ـــــ اب نیند آرہی ہے ـــــ شام کو سناؤں گی"!

جلیس کے کمرے کی کھڑکی بالکنی کی طرف کھلی ہوئی تھی اور میں اسی کے قریب ایک ستون کا سہارا لیئے ہوئے کھڑا تھا اس لیئے ان لوگوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

جلیس نے کہا" ـــــ شام کو سینما دیکھنے کا پروگرام ہے ـــــ"

"نو بجے تک واپس آجائیں ـــــ سہراب خاں کو بھی لیتے چلیں گے ـــــ"

نفیس نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا" ـــــ بہت سیدھا ہے بے چارہ ـــــ"

جلیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نفیس نے ایک ساعت بعد کہا۔

"آپا جی سے کہدینا"!

"ابھی جاکر کہہ آؤں ـــــ؟"

"نہیں ـــــ"

نفیس نے چھوٹی سرکار کو روکتے ہوئے کہا" ابھی وہاں نہ جاؤ زیب النساء بیٹھی ہوگی ـــــ"

مجھے اس چڑیل کی صورت سے نفرت ہے ـــــ کیا کروں

آپا بی سے مجبور ہوں"

"اچھا ـــــ تم پڑھو۔ میں جا رہی ہوں"

جلیس اپنے کمرے میں آ گئیں۔

نفیس اور جلیس تقریباً ہم خیال تھیں صرف سن و سال کا فرق تھا، اور اسی لئے نفیس، جلیس کے مقابلہ میں مجھ سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں لیکن خاموشی اور سنجیدگی بھی کچھ معنی رکھتی تھی۔

والان کے گوشے میں اسی غیر ارادی ٹکڑ کے بعد سے اب تک انھوں نے مجھ سے دُور رہنے کی عمداً کوشش کی تھی۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھیں، کہ ان کو مجھ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن ان کی بعض باتیں اس کے بالکل برعکس تھیں۔

بہرحال اس پہلی ٹکڑ کا جب بھی مجھے خیال آجاتا تھا ایک عجیب کیف محسوس کرنے لگتا تھا۔

شام کو سب سینما گئیں۔ اور میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ ڈرائیور بار بار مجھ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا کھا جائے گا۔ دو ایک بار اس نے مجھ پر آوازے بھی کسے اور ایک بار گیر کے ہینڈل کے پاس سے میرا گھٹنا ہٹاتے ہوئے جھڑک بولا۔

"ـــــ گھٹنا ہٹاؤ جی ـــــ پہلے کار پر بیٹھنا سیکھو ـــــ"

بلقیس نے پوچھا "کیا بات ہے ـــــ؟"

میں فوراً بول اٹھا "کچھ نہیں ــــــ"

نفیس نے کسی بہانہ سے میری نشست کی پشت پر ہاتھ رکھ کر میرے شانے کو انگلی سے دبایا۔ میں خود بھی سمجھ رہا تھا کہ بلقیس کو میری طرف متوجہ دیکھ کر وہ پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

سیتما سے واپس آنے کے بعد نفیس نے ہارمونیم پر ایک غزل سنائی اور سب اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

میں نے بالکنی میں بستر لگا لیا۔

کچھ دیر بعد نفیس نے اپنے دروازے سے سر نکال کر جھانکا اور مجھے بستر پر بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹہلتی ہوئی میرے پاس آ گئیں۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن انھوں نے مجھے ہاتھ سے بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے دیکھے اس کے تیور ــــــ؟"

میں سمجھ گیا کہ وہ ڈرائیور کے متعلق کچھ کہہ رہی ہیں اس لئے میں مسکرا دیا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے پر چلی گئیں اور کھڑی ہو کر باغ کی طرف دیکھنے لگیں۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی وہ کچھ دیر تک اس طرف دیکھتی رہیں۔ پھر مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلا کر کہا۔

"آج زیب النساء کیا کہہ رہی تھی ــــــ"

"مجھ سے تو کچھ بھی نہیں کہا ——"

"مجھے آپا بی کی حالت پر افسوس ہوتا ہے ——"

نفیس نے فوارے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ان کو اپنی پوزیشن اور خاندانی وقار کا بھی خیال نہیں ہوتا ہے ——"

میں نے کہا "—— میاں سے کہہ کر ان لڑکیوں کی آمد و رفت بند کرا دیجئے۔"

ایک بار میں نے باتوں باتوں میں کہا تھا لیکن وہ ہنس کر خاموش ہو گئے۔"

میں خاموش کھڑا ہوا ان کی باتیں سنتا رہا۔ نفیس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑی ہے —— ہوشیار رہنا ——"

میں نے کہا "منجھلی سرکار —— میں غریب تو ضرور ہوں لیکن اس قدر گرا ہوا اور ذلیل نہیں ہوں۔"

یکایک میں خاموش ہو گیا کیونکہ دل کی آواز مجھے گرا ہوا اور ذلیل کہہ رہی تھی۔

نفیس کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن الفاظ نہیں مل رہے تھے اور میں ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا، میرا ضمیر پھر مجھ کو ملامت کرنے لگا تھا۔

ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔

کچھ دیر بعد نفیس نے جمائی لے کر کہا۔

"نیند آرہی ہے ——— وقت بھی کافی گذر چکا ہے ——— جاکر آرام کیجئے ———"

ہم دونوں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھے۔ میں اپنے بستر کے پاس پہونچ کر ٹھہر گیا اور وہ کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں بھی اپنے بستر پر دراز ہوگیا اور گذشتہ رات کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ سب باتیں فلم کے مناظر کی طرح یکے بعد دیگرے میرے پردۂ خیال میں آنے لگیں ——— بلقیس ——— ان کا حسن و شباب ——— ان کی دل نواز مسکراہٹ ——— گداز سینہ ——— شفاف اور چکنی رانیں ——— تھرتھراتے ہوئے خشک لب ——— دونوں کا اضطراب بے چینی ——— کسمساہٹ ——— وحشت ——— جوش ——— میری دست درازیاں ——— ان کی بے حجابیاں ———

میرے ہاتھ پیر پھر کھنچنے لگے۔ میں انگڑائی لے کر بستر پر بیٹھ گیا اور بلقیس کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔

مجھے اس عالم میں زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور انھوں نے سر نکال کر جھانکا۔ میں نے اپنی آنکھیں

بند کر لیں، جیسے کہ میں سو رہا ہوں۔

آج میں اپنے ہوش میں تھا۔ نفس مجھے گدگدا رہا تھا اور دل چاہتا تھا کہ اٹھ کر بلقیس کے کمرے میں چلا جاؤں۔ گذشتہ شب کا کیف و سرور نشہ اتر جانے کے بعد بھی نہ بھلا سکا تھا۔ شائد کوئی بھی نوجوان بھلا نہ سکتا۔

پھر بھی ضمیر نے مجھے اجازت نہ دی۔ میں اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹا رہا اور بلقیس کی حرکتوں کو بھی دیکھتا رہا۔ وہ حسرت سے میری طرف دیکھتی رہیں۔ پھر ننگے پیر کمرے سے باہر آکر نفیس کے کمرے کے پاس گئیں اور جب انھیں اطمینان ہو گیا کہ وہ لیٹ کر سو گئی ہے تو وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتی میرے پاس آگئیں۔ میں فرط جذبات سے بے خود ہوا جا رہا تھا۔ میری رگیں کھنچنے لگی تھیں۔ میرے ضمیر کی آواز کمزور ہوتی جا رہی تھی پھر بھی میں نے آنکھیں اچھی طرح بند کریں جیسے کہ بے خبر سو رہا ہوں۔

انھوں نے میرے قریب دو ایک لمحہ کھڑے رہنے کے بعد جھک کر آہستہ سے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔

میں نے چونکتے ہوئے انداز میں آنکھیں کھول دیں اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا لیکن قبل اس کے کہ میں کچھ بولوں انھوں نے اپنی انگلی لبوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑیں۔ میں ایک معمل کی طرح ان کے ساتھ ہو لیا۔

کمرے میں پہونچ کر انھوں نے دروازہ بند کیا اور پھر میری طرف مخمور نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگیں۔ بڑے شریر ہو تم اتنی جلدی سو گئے تھے۔

میں نے کہا تو پھر کیا کرتا۔ پچھلی رات سو نہیں سکا تھا۔ آج تو نیند جلد ہی آجانا تھی۔ مگر آپ کیسے جاگ رہی ہیں۔

بلقیس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ میری گال میں چٹکی لیتے ہوئے بولیں۔

"بڑے ننھے بنتے ہو تمھیں معلوم نہیں جیسے کہ میں کیوں جاگ رہی ہوں، تم سونے دو تب تو۔

میں نے قطع کلام کر کے کہا "میں نے تو منع نہیں کیا آپ کو"۔

بلقیس نے کہا "تمھارے سینہ میں دل نہیں پتھر معلوم ہوتا ہے"۔ اور اتنا کہہ کر وہ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے پلنگ کی طرف بڑھیں۔

کمرے میں اس وقت ہلکا سبز رنگ کا بلب جل رہا تھا۔

بلقیس نے شب خوابی کا ایک لمبا ریشمی لباس پہن رکھا تھا جو کمر پر ایک بند کے ذریعہ جسم پر لپٹا ہوا تھا، مگر پلنگ کے قریب پہونچتے پہونچتے انھوں نے اس بند کو اس طرح کھول دیا کہ میں دیکھ نہ سکا اور بند کھلتے ہی لباس ان کے ابھرے ہوئے سینے پر سے اس طرح دونوں طرف ہٹ گیا جس طرح تھیٹر کا پردہ کھیل شروع ہونے کے وقت

ہٹ جاتا ہے۔

اس لباس کے نیچے بلقیس نے کچھ بھی نہ پہنا تھا۔ اس لیے اسکے ہٹتے ہی ان کی جوانی ننگی ہو کر میرے سامنے آگئی اور انھوں نے پلنگ پر مجھے بٹھاتے اور خود بیٹھتے ہوئے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔

"سہراب ابھی تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج تم اور دوا پی لو"۔

یہ کہہ کر انھوں نے سامنے میز پر رکھی ہوئی بوتل سے دوا انڈیلنا شروع کر دی۔

یہ دوا کیا تھی اب مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ وہ مجھے نشہ میں لانے کے لیے یہ دوا پلانا چاہتی تھیں۔ حالانکہ میں بلا پیئے نشہ میں بیخود ہو رہا تھا برے - بھلے - نیک اور بد، عذاب اور ثواب میں اس وقت مجھے کوئی فرق محسوس نہ ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"مجھے اب دوا کی ضرورت نہیں، میری دوا تو اس وقت تم ہو، جی چاہتا ہے تم ہی کو پی لوں"۔

بلقیس نے اتنی دیر میں دوا گلاس میں انڈیل کر میرے منہ سے لگا دی اور دل ربایانہ انداز میں دوسرے ہاتھ کو میری پیٹھ پر رکھ کر کہنے لگیں۔

"میرا خون ہی پیئے جو دوا نہ پیئے"۔

میں اس نازنین کے اصرار پر انکار نہ کر سکا۔ تلخ شراب کے

گھونٹ غٹ غٹ حلق سے اتار گیا۔ میرے بعد بلقیس نے بھی اسی گلاس میں دوا لے کر کہا۔

"مجھے بھی نزلہ ہو رہا ہے۔ میں بھی پی لوں؟"

دوا پی کر انھوں نے پلنگ میں لگے ہوئے سوئچ کو اونچا کر کے اس ہری بتی کو بھی گل کر دیا۔ جس سے ان کا گورا گورا بدن ہلکے رنگ کے فیروزے کی طرح چمک رہا تھا۔

اندھیرا ہوتے ہی اندھیر ہونے لگا۔ وہ نہایت بے تکلفی سے میری آغوش میں گر پڑیں۔ ان کا جسم لونڈر سے بسا ہوا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی نو شگفتہ پھولوں کا خوشبودار گلدستہ میری آغوش میں آ گرا ہے۔

اب میں پہلے سے بھی زیادہ مدہوش تھا اور ایسی حالت میں میں نے کیا کیا۔ کہنے سے کیا فائدہ۔

میں دو تین گھنٹہ بعد بلقیس کو ان کے پلنگ پر بے جان لاشہ کی طرح چھوڑ کر اپنے بستر پر واپس آ گیا اور لیٹ کر سوچنے لگا کہ اس کا انجام کیا ہوگا ——— بلقیس بھی مجھ سے غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہیں لیکن شائد وہ ابھی اتنی تجربہ کار اور دلیر نہیں ہیں ——— ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنے کمرے سے جھانک کر مجھ کو دیکھیں میرے پاس آئیں ——— کچھ کہیں ——— ٹہلتی ہوئی بالکنی کے آخری حصہ تک چلی جائیں اور وہاں تنہائی میں مجھے

ہاتھ کے اشارے سے بلا کر بے معنی گفتگو کریں اور پھر واپس چلی جائیں ——— واقعی وہ ناتجربہ کار ہیں۔ اگر تجربہ کار ہوتیں تو بلقیس کی طرح لہرا کر ——— تیور اکر یا خود مجھ کو لبھا کر وہ بھی یہ سب منزلیں طے کر چکی ہوتیں۔

وہ بھی بلقیس کی طرح حسین تھیں ——— جوان تھیں بلقیس سے بھی کم عمر۔ ان میں بھی جنسی کشش تھی ——— وہ بھی آزاد خیال تھیں ——— بے باک تھیں ——— شوخ و طرار تھیں ——— لیکن اس کے باوجود ان میں کسی چیز کی کمی تھی ——— غالباً جرأت کی ——— جنسی جرأت ——— جسے بے حیائی بھی کہا جا سکتا ہے۔

ان میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ کسی مرد کو مجبور کر سکیں زبردستی اس کو مجبور کر سکیں کہ وہ ان کو اپنی آغوش محبت میں لے لے ——— ہو سکتا ہے کہ آزاد خیالی کے نقطہ نظر سے یہ ان کی اخلاقی یا جنسی کمزوری ہو لیکن یہ کردار کی پختگی اور نسوانیت کی دلیل تھی ——— شائد ان کی نسوانیت کو اس پر ناز ہوگا کہ وہ خود جس سے ملوث ہونا چاہیں گی وہ خود ان کو اپنی آغوش محبت میں لے لے گا ——— اقتضائے فطرت بھی یہی ہے ——— لیکن بلقیس کی آزاد خیالی اور بے باکی نے ان اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس طرح انھوں نے فطرت کا مذاق اڑایا تھا۔

ان کے والد بھی فطرت کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اور میں ــــــ
انھیں خیالات آنکھ لگ گئی۔ اور حسب عادت صبح ساڑھے پانچ بجے اٹھا
غسل کیا اور گھر کے کاموں میں مصروف ہوگیا۔

بلقیس اور جلیس سات اور آٹھ بجے کے درمیان اٹھتی تھیں۔
لیکن جلیس علی الصبح بیدار ہو جاتی تھیں۔

جب میں غسل کرکے دوسری منزل پر پہونچا اور ان کے کمرے کے
دروازہ کو کھلا ہوا دیکھا تو مجھے ان کے دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی۔

میں فوراً ان کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ صوفے پر بیٹھی ہوئی
ایک کتاب دیکھ رہی تھیں مجھے دیکھتے ہی قدرے متوحش ہوگئیں۔
میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں ہاتھ میں کپڑا لئے ہوئے سیدھا سنگار میز
کے قریب پہونچ گیا اور آئینہ صاف کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا۔ ان کی زمزمہ
با آواز ستائی دی۔

"میں میز صاف کر چکی ہوں ــــــ"

"آپ کیوں زحمت کرتی ہیں ــــــ"

انھوں نے میرے جواب کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا" ــــــ
میرے لئے، ناشتہ لے آؤ ــــــ اگر دیر ہو تو صرف چائے
لیتے آنا ــــــ"

میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے ٹالنا چاہتی ہیں اس لئے اسی وقت نیچے چلا گیا
اور کچھ دیر بعد ناشتہ پہونچا کر جب بالکنی میں آیا تو بلقیس کے کمرے کا

دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ یلقیس ابھی تک محوِ خواب تھیں۔

میں نفیس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہونچ کر ایک ساعت کے لئے ٹھہرا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ پلنگ کے قریب دریچہ کی طرف رُخ کئے کھڑی ہوئی باہر چمن کی طرف کچھ دیکھ رہی تھیں۔

میرے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہی پلٹ کر میری طرف دیکھا اور چہرے پر نگاہیں پڑتے ہی چشم زدن میں ایسی مشتعل ہوگئیں جیسے کسی نے بارود میں چنگاری ڈال دی۔

قبل اس کے کہ میں کچھ غور کرسکوں وہ جھپٹ کر میری طرف بڑہیں اور مجھے ڈانٹتے ہوئے بولیں

"_____ نکل جاؤ میرے کمرے سے _____ فوراً

نکلو _____"

میں گھبرا کر ان کو دیکھنے لگا۔ انھوں نے قریب پہونچتے ہی مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں فوراً نکل جاؤ _____ ورنہ ابھی دوسرے نوکروں کو بلاتی ہوں _____"

"_____ کیا ہوا سرکار _____؟"

ان کا لہجہ سخت ضرور تھا لیکن آواز زیادہ بلند نہ تھی میرے استفسار پر بولیں۔

"میں کچھ نہیں کہنا چاہتی _____ جب تک ابا جان نہ واپس آجائیں

تم میرے سامنے نہ آؤ ——— "

میں سمجھ گیا کہ شائد انھوں نے رات کو مجھے بلقیس کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھ لیا ہے۔ ٹھیکہ دار صاحب کا نام سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ اسی طرح بڑبڑاتی رہیں۔

" ——— جس روز بھی ابا جان واپس آ گئے ——— سب سے پہلے تمہاری پیشی ہوگی ——— غضب خدا کا یہ ڈھٹائی ——— سہراب خاں! دور ہو جاؤ۔ میری آنکھوں سے ——— تم کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر رہا ہے ——— "

میں نے اپنی حالت سنبھال کر کہا ——— کیا قصور ہوا سرکار ———؟

" قصور ——— " انھوں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" ——— مجھ سے قصور پوچھتے ہو ——— شرم نہیں آتی ——— ایسے بد معاشوں کی زنان خانہ میں ضرورت نہیں "!

وہ غصہ میں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا میں کس حد تک ذمہ دار ہوں لیکن لفظ بد معاش سے میرے تن بدن میں آگ لگ اور میں نے جواب دیا۔

" سرکار! آپ مجھ کو ملازمت سے برخاست کر سکتی ہیں لیکن آپ کو

میری عزت پر حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ——"

میرے بدلے تیور دیکھ کر وہ بولیں۔

"—— اور تم کو دوسروں کی عزت پر حملہ کرنے کا حق ہے —— جس تھالی میں کھاؤ اسی میں چھید کرو ——

بڑے آئے عزت والے"!

میں نے ملازمت کی ہے عزت نہیں بیچی ہے —— میں غریب ضرور ہوں لیکن عزت کی خاطر جان کی بازی لگا سکتا ہوں"!

انسان کی عزت ذاتی کردار سے ہوتی ہے —— عزت عزت کر رہے ہو —— عزت کا ڈھول پیٹنے سے پہلے اپنی حرکتوں پر غور کرو —— اپنے افعال کو دیکھو"!

"غریبوں کا ہر فعل دوسروں کے اشارے پر ہوتا ہے"!

نفیس کا لہجہ بدل چکا تھا۔ انھوں نے کہا "—— خیر اب یہ منطق ابا جان کے سامنے پیش کرنا ——"

میں کیا اور میری منطق کیا — میں تو ایک ادنیٰ ملازم ہوں ——"

ادنیٰ ملازم کیسے اب تو آپ ——"

وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔ اور ایک ساعت بعد بولیں۔

تشریف لے جائیے یہاں سے ——"

اگرچہ چڑھتی ہوئی ندی اتر تی جا رہی تھی لیکن میں نے بھی اسوقت

زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور باہر آگیا۔

مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس تھا لیکن اسی کے ساتھ میں دوسروں کو بھی ان باتوں کا ذمہ دار تصور کر رہا تھا اور ان دوسروں میں خود ٹھیکیدار صاحب بھی شامل تھے۔

میں بالکنی میں پہونچ کر کھڑا ہو گیا اور باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ نفیس بھی شائد میرے پیچھے پیچھے باہر چلی آئی تھیں۔ اس لیے کہ جیسے ہی میں نے باغ کی طرف دیکھا انھوں نے عقب سے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"——— جب تک ابا جان نہ آجائیں ——— آپ خود کو اپنے قابو میں رکھئے ——— اگر اب میں نے ایسی ویسی بات دیکھی تو شوٹ کر دوں گی ——— اور اگر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو یاد رکھو" ——— ابا جان زمین سے کھود کر نکال لیں گے"

میں نے کہا" ——— آپ بلا وجہ دھمکیاں دے رہی ہیں ——— میں بے قصور ہوں ———"

——— تم دنیا کو دھندلا سکتے ہو لیکن مجھ کو نہیں ———

میں نے خود تمکو آپا جان کے کمرے سے نکلتے دیکھا ہے ———"

——— لیکن میں خود سے آپ کی آپا جان کے پاس نہیں گیا تھا۔ کاش آپ نے میرے جانے کا منظر بھی دیکھا ہوتا۔

یہ سن کر وہ کچھ سکتے کے عالم میں مبتلا ہو گئیں۔

ان کی آواز سن کر جلیس کمرے سے نکل آئیں۔ انھیں دیکھتے ہی میری

عجیب حالت ہوگئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کو ان باتوں کا علم ہو۔ انھوں نے آتے ہی نفیس سے دریافت کیا۔

"کیا بات ہے آپا بی ——"

"کچھ نہیں ——"

انھوں نے مجھے پر معنی نگاہوں سے دیکھا اور بات بناتے ہوئے جلیس کو جواب دیا۔

"—— اب ان کے بھی پر نکل آئے ہیں کہو کھیت کے سنتے میں کھلیان کی ——"

وہ جلیس سے باتیں کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

۵

ٹھیکہ دار صاحب نے اپنے کردار کی جو تصویر میرے سامنے پیش کی تھی اس کو دیکھتے ہوئے اگرچہ مجھ کو ان کی طرف سے زیادہ ڈر نہ تھا لیکن اس کے باوجود میں تمام دن پریشان اور خائف رہا اور جس وقت بھی نفیس سے سامنا ہوا میں کسی نہ کسی بہانہ سے کترا کر دوسری طرف چلا گیا۔

میں نے ان باتوں کا تذکرہ بلقیس سے نہیں کیا کیونکہ اس میں بات بڑھنے کا احتمال تھا اور نفیس بلقیس کے مقابلہ میں زیادہ ضدی اور تند خو تھیں۔

شام کو نفیس کی چند ہم جماعت لڑکیاں آئیں۔ ان سب کیلئے میں چائے لے کر گیا۔ نفیس نے اگرچہ بظاہر مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہ کی لیکن میں نے دو یک بار ان کو آنکھوں کے گوشوں سے اپنی طرف دیکھتا ہوا پایا۔

ان کے پاس جلیس بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے نفیس سے پوچھا۔

"آپا بی آپ نے سہراب کو معاف نہیں کیا ——؟"

"اف سے تو ابا جان نپٹیں گے ——"

چند دیگر لڑکیوں کی موجودگی میں مجھ کو ان کا یہ جملہ سخت ناگوار گذرا لیکن میں نے جو کچھ کیا تھا اس کے لئے میں خود اپنی نگاہوں میں مجرم تھا اسلئے چائے کیلئے برتن لے کر واپس آگیا۔

رات کو جب نفیس بلقیس اور جلیس اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں تو میں قیمن سے ایک کام کا بہانہ کر کے رحیم خاں کے پاس پہونچا وہ اپنی کوٹھری کے پاس بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔

اس کوٹھی میں وہی میرے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ میں ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد انھوں نے مجھے افسردہ دیکھ کر پوچھا۔

"—— کیا بات ہے سہراب خاں آج تم بہت زیادہ پریشان نظر آرہے ہو ——"

میں نے دیا "چچا! اب یہاں میری گذر مشکل ہے۔ حالات کچھ

ایسے ہیں کہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ——"

"آخر بات کیا ہے ——"

بڑے گھر کی باتیں ہیں —— زبان سے نکالتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے"

لڑکیوں کا کوئی قصہ ہے کیا —— انھوں نے حقہ کا کش لیکر پوچھا۔

"ہاں ——"

—— خیر اس کے لئے مجھ کو یا تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں —— جب باپ ہی نے چھوٹوں کا لحاظ اور بڑوں کا ادب اُٹھا دیا ہو تو لڑکیوں کو کیا کہا جائے"

یہ تو ٹھیک ہے چچا —— لیکن اول تو میں ان لغویتوں کا عادی نہیں۔ دوم بعض باتیں میرے لئے ناقابل برداشت ہیں"

"آخر کیا باتیں ہیں کچھ کہو بھی تو"

میں نے کہا" —— میں بھی انسان ہوں —— جوان ہوں —— کسی وقت اگر کوئی لغزش ہوگئی تو میں کہیں کا بھی نہ رہوں گا"

رحیم خاں نے حقہ کا گنڈا دباتے ہوئے کہا۔

دیکھو بھیا سہراب خاں۔ میاں میری گودیوں کے کھلائے ہوئے ہیں —— میں کیا میرے باپ دادا اسی گھر میں پلے ہیں۔ ان کا نمک کھایا ہے لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا —— میاں نے پرانی

باتوں کو ختم کر دیا ہے۔ بات تو کہنے کی نہیں لیکن جب موقع آگیا ہے تو کہدینا ہی اچھا ——— ابھی کوئی ایک مہینہ کی بات ہے ——— بڑی بٹیا اپنی ایک سہیلی کے ساتھ سینما دیکھنے گئیں۔ اور ۳ بجے رات تک غائب رہیں ——— صبح جب میاں کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کی سہیلی کو بلاکر پوچھا اور بلقیس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا"

میں نے چونک کر پوچھا" ——— اور وہ سہیلی کون تھی"!

"وہی زیب النساء ——— رحیم خاں نے جواب دیا۔

وہ میاں کے پاس آئی اور ان کو الٹی پلٹی پڑھا دی ———

لیکن ایسی باتیں چھپی نہیں رہتی ہیں ——— کلو کے لڑکے شاکر اور ڈرائیور میں دانت کاٹی روٹی ہے اس نے اس سے بتا دیا کہ ڈرائیور اور اس کا ایک دوست بلقیس اور ان کی سہیلی کو چھٹ لے گئے تھے ———

وہیں جھیل کے کنارے ۳ بجے تک سیر و تفریح ہوتی رہی ——— لیکن یہ بات اس طرح دبا دی گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں"!

ڈرائیور کا نام سُنکر میرے دل میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ نفیس نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ بلقیس اس سے بہت زیادہ بے تکلف ہو چکی ہیں۔ اور اب اس کی تصدیق ہوگئی۔

میں نے فوراً رحیم خاں سے کہا" اس سے تو وہ اب بھی بہت زیادہ مانوس ہیں ———"

مانوس کیسی ——— میں نے خود اس کو تمہارے آنے سے

پہلے ان کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھا ہے ——— خیر ہم کو ان باتوں سے کیا مطلب ——— میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ بھلے تو جگ بھلا"

"——— لیکن پھر بھی ان باتوں کا دوسروں پر ضرور اثر پڑتا ہے ———"

"انسان خود کو سنبھالے رکھے ——— اس کا کوئی کچھ بھی بگاڑ سکتا ——— جاؤ اپنا کام کرو ——— اپنے کام سے کام رکھو ——— اپنی تنخواہ سے غرض رکھو ——— ان باتوں سے کیا مطلب ——— میری تمہاری کوششوں سے ان کی عادت سنبھل نہ جائے گی ———"

"جوان لڑکیاں ہیں میاں کو کچھ خیال تو کرنا چاہیئے"

"بس رہنے بھی دو ——— رحیم خاں نے جل کر کہا۔

"اگر ایسا ہی خیال ہوتا یہ سب کچھ کیوں کرتے ——— کیا لڑکیوں کو ان کی حرکتوں کی خبر نہیں ہوتی ہے ——— کیا وہ روزانہ آوارہ عورتوں کو کوٹھی میں آتا ہوا نہیں دیکھتیں ——— خود بلقیس کی چند سہیلیاں میاں کے پاس آتی ہیں ——— ایک تو وہ ہی ایڈنا ہے ——— دوسری زیب النساء اور ایک شیلا ہے ———"

"یہ ارشد میاں کون ہیں ———؟" میں نے پوچھا۔

"——— کون ——— وہ پچکے ہوئے گالوں والا۔ دبلا پتلا لڑکا ———!"

"ہاں ——"

"سنتا ہوں رشتہ دار ہے —— لیکن میں تو ادھر ایک سال سے دیکھ رہا ہوں ورنہ اس سے پہلے تو دیکھا نہیں —— وہ صورتاً بد معاش معلوم ہوتا ہے ——"

میں سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ رحیم خاں حقہ پیتے رہے —— پھر کچھ دیر بعد ایک لمبا کش لے کر حقہ ایک طرف کھسکا کر رکھتے ہوئے بولے۔

"—— جاؤ —— تم بلا وجہ کیوں پریشان ہوتے ہو —— خود کوئی ایسا موقع نہ دو کہ اپنا ضمیر ملامت کرے —— وہاں تو جو کچھ ہو رہا ہے —— ویسا ہی ہوتا رہے گا۔ بلکہ اس میں ترقی ہی ہوتی رہے گی ——"

میں زنان خانہ میں واپس آگیا اور بالکنی میں اپنا بستر لگا کر لیٹ گیا۔

مجھے خیال تھا کہ بلقیس رات کو ضرور آئیں گی اور نفیس ان کو دیکھنے کی کوشش کریں گی۔ اسی خیال میں ایک بجے تک جاگتا رہا اور پھر سو گیا۔

صبح حسب معمول بیدار ہوا اور تینوں کمروں کی صفائی کے بعد نفیس کی دوا لینے چلا گیا۔ ان کو دو روز سے بخار کی شکایت تھی، جب میں واپس آیا تو تینوں بہنیں اسکول جا چکی تھیں۔

۱۲ بجے نفیس اور جلیس واپس آگئیں۔ بلقیس اپنی کسی سہیلی کے ساتھ اسکے مکان پر چلی گئیں تھیں۔ اگرچہ رحیم خاں سے ان کا اور ڈرائیور کا قصہ سننے کے

بعد میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ان سے دور رہنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اس وقت ان کے مکان نہ آنے کی وجہ سے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے اور میں ایک ناقابل فہم الجھن میں مبتلا ہو گیا۔

جلیس اور نفیس سے بھی تفصیل کے ساتھ نہیں دریافت کر سکتا تھا، مجبوراً میں اپنی کوٹھری میں آکر لیٹ رہا اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگا لیکن میری الجھن اور بڑھنے لگی۔ میں اٹھا اور دروازہ بند کر کے دالان میں آیا۔

منی کی اماں اپنے شوہر کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی۔ فہمین اپنے کمرے میں بخار میں پڑی ہوئی تھیں۔

میں ٹہلتا ہوا زینہ تک پہونچ گیا اور قطعی غیر ارادی طور پر آہستہ آہستہ زینوں پر قدم رکھتا ہوا دوسری منزل پر پہونچ گیا۔

بلقیس کے کمرے کا دروازہ حسب سابق بند تھا میں نے دروازے کی طرف دیکھا دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور میں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا نفیس اور جلیس کے کمروں کے دروازے بھی بند تھے۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہی تھیں۔

میں بالکنی کے قریب خالی کمرے کے دروازے پر پہونچ کر ٹھہر گیا اور سوچنے لگا کہ بلقیس اس وقت کہاں ہوں گی اور کیا کر رہی ہوں گی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے کمرے کے اندر کچھ آہٹ محسوس ہوئی میں فوراً اس طرف متوجہ ہو گیا اور سننے لگا۔ اندر سے کچھ عجیب قسم کی ہلکی، ہلکی آوازیں

آرہی تھیں جیسے کتا کسی برتن میں چپ چپ کر کے پانی پی رہا ہے۔ کوئی مرچ کھا کر سُو سو کر رہا ہے اور کوئی پشت پر ڈیڑھ دو من کی بوری لادے تیز سانسیں لے رہا ہے۔ میں تیزی کے ساتھ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرہ قدرے تاریک تھا لیکن اس کے باوجود میں نے ایک شخص کو میز پر سے اچک کر دیوار کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور اسی جگہ میز کی گرد آلود سطح پر کوئی دوسرا شخص اُبھر آیا۔ چند گی دور ہوتے آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو گئیں اور میں نے میز پر نفیس کو اپنی ساری کا آنچل سر پر ڈالتے ہوئے دیکھا۔ دیوار کے پاس ارشد میاں کھڑے ہوئے انگریزی شکاریوں کی ایک تصویر کو اس انہماک کے ساتھ دیکھ رہے تھے گویا وہ ان کے بزرگوں کی تصویریں ہیں اور وہ ان میں اپنے جدِ اعلیٰ کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے کوٹ اور پتلون میں جا بجا میز کی گرد لگی ہوئی تھی۔

یہ سب بہت تیزی کے ساتھ ہوا۔ میں نے واقعات اور دونوں کی پریشانی اور گھبراہٹ سے صورت حال کو سمجھ لیا اور فوراً واپس جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ نفیس نے مجھے ٹھہراتے ہوئے کہا۔

"سہراب ——— ایک گلاس پانی دے آؤ۔"

"بہت اچھا" کہہ کر میں باہر آیا اور فوراً پانی کا گلاس لے کر پہونچا۔

ارشد میاں ابھی تک اس تصویر کے سامنے کھڑے ہوئے شائد مصوّر کی فن کاری کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن نفیس میز سے اتر کر اپنے لباس سے گرد جھاڑ رہی تھیں۔

میں نے میز کی گرد آلود سطح کو دیکھا اس حصّے پر سے گرد اس طرح صاف ہوگئی تھی گویا کسی طالب علم نے اس پر ہندوستان کا نقشہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

میں نے نفیس کی طرف دیکھا لیکن انھوں نے فوراً نگاہیں نیچی کرلیں اور پانی پینے لگیں۔

میں نے ان کی ندامت اور گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو کافی گرمی ہے ——— کہئے تو پنکھا لاکر لگا دوں ———؟"

"نہیں ———"

انھوں نے گلاس دے کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ارشد میاں سے پوچھا: "آپ بھی پانی پئیں گے میاں ———؟"

ارشد میاں چونک پڑے اور گھبرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"ے آؤ ــــــ"

"ــــــ اور برش بھی لیتا آؤں ــــــ" میں نے انکے لباس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کے کوٹ اور پتلون میں گرد لگ گئی ہے ــــ"

"نہیں ــــــ" کہہ کر وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا لباس جھاڑنے لگے۔

میں نے یہ جملے اس لئے کہے تھے کہ نفیس اور ارشد میاں کو یقین ہو جائے کہ میں واقعات کی تہ تک پہونچ گیا ہوں۔

میں نفیس کے کمرے سے جب دوبارہ پانی کا گلاس لے کر نکلا تو نفیس کو کمرے کے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔

ارشد میاں تیزی کے ساتھ زینے کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے لپک کر کہا۔

"ــــــ ارشد میاں! پانی تو پیتے جائیے"!

انھوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا اور تیزی کے ساتھ زینے سے اترتے ہوئے نیچے پہونچ گئے۔

میں نفیس کی طرف متوجہ ہوا، ان کے قریب پہونچ کر بہت معصومانہ انداز میں پوچھا۔

"ارشد میاں کیوں چلے گئے ــــــــــــ؟ میری کسی بات سے تو نہیں ناراض ہو گئے؟"

"معاف نہیں ——————"

نفیس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھا
ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں پہونچا۔ انھوں نے میری
چاپ محسوس کر لی لیکن پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ بلکہ اپنے پلنگ پر
سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

اگرچہ یہ کمرہ نسبتاً ٹھنڈا تھا کیونکہ دریچے کھلے ہوئے تھے لیکن ان کے
چہرے اور خصوصاً پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور ریشمی بلاؤز
بھی جلد سے پیوست ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے میز کا پنکھا اٹھا کر سنٹر ٹیبل
پر رکھا۔ اور اس کا رخ ان کی طرف کر کے اسے چلا دیا۔

ہوا کی تیز لہروں سے ان کی ریشمی ساری پھر پھرانے لگی اور بالوں کی
آوارہ لٹیں چہرے پر لوٹنے لگیں۔ وہ اسی طرح سر جھکائے خاموش
بیٹھی رہیں۔

میں ان کی اس ندامت، شرمندگی۔ پریشانی۔ سراسیمگی اور بے بسی
و مجبوری سے ایک خاص لطف آ رہا تھا۔ انھوں نے مجھے بلقیس کے کمرے
سے رات میں نکلتے دیکھ لیا تھا اس لئے صبح تک میں خائف تھا کہ خدا معلوم
وہ کیا فتنہ کھڑا کر دیں۔ مجھ کو کس مصیبت میں مبتلا کرا دیں لیکن اب
ان کو ارشد میاں کے ساتھ اس تاریک اور خالی کمرے میں دیکھ کر
تاثرات بالکل بدل گئے تھے۔

میرا در بلقیس کا راز افشاء ہو جانے پر زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ مجھ کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑتا لیکن میں اب ان کو ہر جگہ بدنام کر سکتا تھا۔ ان کو رسوا کر سکتا تھا۔ میرے مقابلہ میں ان کو اپنی بدنامی کا زیادہ خیال تھا۔

میں نے ان کے حسین پیکر کو دیکھا۔ وہ اس وقت پشیمانی اور ندامت کا مجسمہ بنی بیٹھی ہوئی تھیں۔

میری نگاہیں خود بخود دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ دبیز پردہ کھنچا ہوا تھا۔ میں فاتحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا اور قریب پہونچ کر ہمدردانہ لہجہ میں ان کو مخاطب کیا۔

"منجھلی سرکار ——"

انھوں نے ایک شکست خوردہ جرنیل کی طرح مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولیں۔

"کیا ہے ——؟"

"کیا بات ہے —— کیسی طبیعت ہے ——؟"

"کچھ نہیں ——"

انھوں نے پھر سر جھکا لیا اور فرش پر نگاہیں جما دیں۔

"کوئی بات تو ضرور ہے آپ بہت پریشان نظر آ رہی ہیں ——"

انھوں نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور

لب تھرتھرا رہے تھے۔ انھیں اس عالم میں دیکھ کر میں بے چین ہو گیا اور میں نے گھبرا کر کہا۔

"——— آپ رو رہی ہیں ———"

ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگے۔

"آپ یہ کیا کر رہی ہیں ——— خدا کے لئے اپنی حالت سنبھالئے ———"

انھوں نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن آواز گھٹ کر رہ گئی اور اشکوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ اور وہ پلنگ پر گر کر سسکیاں لینے لگیں۔

میں نے فوراً ان کے پیروں سے سینڈل اتار کر ان کو ٹھیک سے پلنگ پر لٹا دیا۔ اور سرہانے سے رومال اٹھا کر اشک خشک کرنے لگا۔

انھوں نے اسی عالم میں مجھے دیکھا اور تکیہ میں سر چھپا لیا۔

میں نے بدقت تمام ان کا چہرہ اٹھا کر اشک خشک کئے اور ان کو زبردستی پلنگ پر بٹھا کر پانی پلایا۔ اور رومال تر کر کے ان کا چہرہ پونچھنے لگا انھوں نے آہستہ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے ملتجانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دیں۔

"سہراب ——— مجھے رو لینے دو ——— جی بھر کر رو لینے دو ———"

"لیکن آپ آخر کیوں رونا چاہتی ہیں ———"

"مجھے پریشان نہ کرو ——— میں اس وقت بہت دل برداشتہ ہو رہی ہوں ——— خدا کے لئے مجھے میری حالت پر چھوڑ دو ———"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سرکار ——— میں آپ کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا ———"

نفیس نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"زخموں پر نمک پاشی نہ کرو ———"

"میں اور زخموں پر نمک پاشی کروں ——— میری کیا مجال ہے ———"

انھوں نے ایک طویل ٹھنڈی سانس لی اور پنکھے کی طرف دیکھنے لگیں۔ میں نے کہا۔

آپ لیٹ جائیے۔ ورنہ سر میں درد ہونے لگے گا!"

"میرا سر پھٹا جا رہا ہے ———"

میں نے ان کو آہستہ سے شانوں سے پکڑ کر پلنگ پر لٹا دیا۔ انھوں نے مزاحمت نہ کی میں ان کے اوپر اور زیادہ جھک گیا اور داہنے ہاتھ سے ان کی پیشانی دبانے لگا۔ انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا ——— لباس تبدیل کر لیجئے ———"

انھوں نے آنکھیں کھول کر مجھ کو دیکھا۔ میں سیدھا ہو گیا اور پنکھے کا رُخ ان کی طرف کر کے کہا۔

"اُٹھئے یہ ساری وغیرہ اتار کر ہلکا لباس پہن لیجئے۔ آپ پسینے میں تر ہو رہی ہیں ———"

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے کہا۔

"میں بالکنی میں ہوں، لباس تبدیل کر کے بلا لیجئے گا ——— میں آ کر سر دبا دوں گا ———"

میں جواب کا انتظار کئے بغیر باہر آ گیا اور بالکنی میں ٹہلنے لگا میرے قلب کی حرکت بھی تیز ہو چکی تھی اور اسوقت تقریباً وہی کیفیت طاری تھی جو پہلے روز نفیس کے کمرے میں ان کے قریب سے پیدا ہوئی تھی۔

میں بغیر کسی ارادے کے ٹہلتا ہوا بالکنی کے آخری حصّہ تک چلا گیا اور واپسی پر بالکنی میں ٹھہرنے کے بجائے نفیس کے کمرے کے دروازے پر پہونچ کر ٹھہر گیا۔

پردے کا حصہ قدرے ہٹا ہوا تھا اور نفیس کا پلنگ صاف نظر آ رہا تھا، میں نے پلنگ کی طرف دیکھا وہ پلنگ پر نہیں تھیں۔

میں کمرے میں داخل ہوا میری نگاہیں نفیس پر پڑیں۔ وہ سنگار میز کے قریب تقریباً بالکل عریاں کھڑی ہوئی اپنی چوٹی کھول رہی تھیں اور شب خوابی کا لباس سامنے کرسی پر پڑا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی انھوں نے برقی سرعت کے ساتھ پلنگ سے ریشمی چادر کھینچ کر اپنا جسم چھپا لیا اور اسی طرح پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

میں "ارے" کہہ کر پردے کی آڑ میں ہو گیا اور فوراً دروازہ بند کر کے آہستہ سے چٹخنی چڑھا دی۔

انھوں نے کہا "تم اس قدر جلد آ گئے ——— ابھی تو میں نے

لباس بھی نہیں تبدیل کیا ——"

اب ان کی آواز شگفتہ بھی۔

میں نے پردے کے پیچھے سے کہا " میں یہاں کھڑا ہوں ——
آپ لباس پہن لیجئے "!

انھوں نے جلد جلد لباس پہن کر مجھے بلا لیا۔

وہ پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا " آپ لیٹ جائیے تو سر دبا دوں "۔

وہ پلنگ پر دراز ہو گئیں اور پلنگ کی پٹی کو ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ ——"

میں پٹی پر بیٹھ گیا اور دائیں ہاتھ سے ان کا سر دبانے لگا اور چند لمحہ بعد میں نے کہا۔

"میری اس وقت کی گستاخی معاف کر دیجئے گا ——"

ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں تھیں لیکن میری آواز پر انھوں نے آنکھیں کھول کر مجھ کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیسی گستاخی ——"

"یہی کہ آپ کپڑے اتارے ہوئے کھڑی تھیں اور میں بغیر آواز دیئے چلا آیا ——"

وہ مسکرا دیں اور چھت کی طرف دیکھنے لگیں۔

میں ان کا سر دباتا رہا۔ ان کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہوتے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے کہا "آپ اس طرف کروٹ لے لیجئے تو دونوں ہاتھوں سے دبا دوں ——؟"

نفیس نے کروٹ لے لی۔ میں پیر اٹھا کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر دبانے لگا۔

میری غیر متوقع آمد کی وجہ سے وہ اپنی چوٹی نہ کھول سکی تھیں۔ میں نے پوچھا۔

"بال کھول دوں ——؟"

"کھول دو ——"

میں نے ان کی چوٹی کھول دی اور سر سے شانوں تک ہاتھ چلنے لگا۔ میں خود بھی اس میں ایک عجیب لذت محسوس کر رہا تھا اور وہ اسی طرح بالکل خاموش لیٹی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اپنا داہنا ہاتھ بھی پھیلا دیا اور میں اسے بھی دبانے لگا۔ ان کے نرم و نازک جسم پر ایک ماہر ستار نواز کی طرح میرے ہاتھ چل رہے تھے۔ ان کا ہاتھ کمر تک پھیلا ہوا تھا اور اس طرح میرے دونوں ہاتھ بھی ان کے سینے اور پہلو سے گزرتے ہوئے کمر تک پہونچ رہے تھے۔

میرے جسم میں سنسناہٹ پیدا ہو چکی تھی اور نفیس پر بھی بے خودی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

شیطان مجھ پر سوار ہو چکا تھا بلقیس نے مجھ میں گناہ کی جرأت پیدا کر دی تھی لیکن ضمیر کی آواز ابھی اتنی کمزور نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جھنجھوڑا اور میں یکایک نفیس کو چھوڑ کر پلنگ سے اتر گیا۔ لیکن ابھی میں جوتے پہن بھی نہ سکا تھا کہ نفیس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور التجا بھری آواز میں بولیں۔

سہراب کہاں جا رہے ہو ——"

میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "سرکار مجھے چھوڑ دیں۔ میرا دل اس وقت قابو میں نہیں ہے۔ میں بدحواس ہوا جا رہا ہوں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھوں"!

نفیس نے مجھے بدستور کھینچتے ہوئے کہا —— "سہراب" —— ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔ ان کا چہرہ نفسی بھوک سے سراپا سوال بنا ہوا تھا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔

ایک نوجوان اور حسین لڑکی سراپا جنسی غذا بنی ہوئی تھی۔ میں بھی نوجوان تھا اور انسان ایسی حالت میں قرار نہیں پا سکتا۔ میں ان کی طرف اس طرح کھنچ گیا، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔ اور پھر اسی طرح ان میں پیوست ہو گیا۔ جس طرح لوہے کا کوئی ہلکا تار بڑے مقناطیس میں چپک جاتا ہے۔ انھوں نے اس بے ہوشی میں بھی روشنی کو جائز نہ سمجھتے ہوئے سوئچ اونچا کر دیا۔ اور تاریکی نے مجھے پھر گناہِ عظیم میں مبتلا کر دیا۔

کچھ دیر بعد جب نشہ ہرن ہوا تو خوف و ہراس سے گھبرا کر میں اٹھ

بیٹھا۔"

مجھے پلنگ سے اٹھتے دیکھ کر نفیس نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا: "اب کیا ہوگا سہراب ——"

میں نے کہا "سرکار یہ تو آپ ہی سمجھ سکتی ہیں —— میں تو آپ کا تابعدار غلام ہوں"۔

اگر آپا جان کو معلوم ہوگا تو وہ میری اور تمہاری دونوں کی دشمن ہو جائیں گی"۔

"ان کو تو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ہم دونوں میں سے ان سے کوئی بتائے"۔

"—— لیکن تم نے یا انھوں نے تو مجھ سے کچھ بھی نہیں بتایا —— —— پھر مجھے کیسے معلوم ہو گیا ——؟"

"ان کی غلطی سے —— آپ ایسی غلطی قطعی نہ کریں ——"

نفیس خاموش ہو گئیں اور کچھ سوچنے لگیں۔ میں نے کہا: "آپ خاموش کیوں ہو گئیں ——"

"یہی سوچ رہی ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا"!

"ایسا کام کرنے والے انجام کے متعلق کبھی غور نہیں کرتے"۔

"میں پلنگ سے اترنے لگا تو مجھی سرکار نے مجھے لپٹا لیا اور منتیں کرنے لگیں ——"

"——— نہیں ——— ابھی نہیں ——— ابھی بیٹھے رہو ———"
ہم دونوں پھر باتیں کرنے لگے لیکن گفتگو کا کوئی خاص، موضوع نہیں تھا۔

۳ بجے میں باہر آیا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

بلقیس ۵ بجے واپس آئیں اپنے کمرے میں پہونچتے ہی مجھے آواز دی۔ لیکن میں ٹال گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

شام کو فوارے کے قریب سبزہ پر بلقیس نفیس اور ان کی چند دیگر سہیلیاں بیڈ منٹن کھیلتے گئیں۔ میں فہیمن سے کہہ کر رحیم خاں کے پاس چلا گیا اور بعد مغرب واپس آیا۔

بلقیس نفیس اور جلیس نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

جلیس نے میری جھلک دیکھ لی اور خلاف معمول مجھے آواز دے کر بلا لیا اور ایک گلاس پانی مانگا۔

میں ان کو پانی پلا کر واپس جانے لگا۔ تو بلقیس نے مجھے اپنا پلا دیتے ہوئے کہا۔

"اسے میرے کمرے میں رکھ دینا"

میں پلا لے کر چلا گیا۔

رات کو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنا بستر لئے ہوئے

بالکنی کی طرف جا رہا تھا تو بلقیس نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر پوچھا۔

"دن کو ایڈنا یا زیب النساء تو نہیں آئی تھیں"۔

"جی نہیں ——"

اس کے بعد انھوں نے نگاہیں نیچی کر کے کہا

"رات کو آنا ضرور، میں کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دوں گی ——

اچھا ——"

میں بغیر جواب دیئے چلا گیا۔ اور بالکنی میں بستر بچھا کر نیچے سے صراحی لینے چلا گیا۔ جب دوبارہ اپنے بستر کے پاس واپس آیا تو نفیس کو دروازے پر پردے کی آڑ میں کھڑا ہوا پایا۔ انھوں نے مجھے انگلی کے اشارے سے اندر بلایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گداز سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"سہراب دیکھو آپا جان کو یہ بات نہ معلوم ہونے پائے ورنہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی"!

"—— مجھ سے زیادہ آپ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے ——"

"میں محتاط رہوں گی —— لیکن سہراب! ——"

نفیس نے مجھے پر شوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا —— تم نے معلوم نہیں کیا جادو کر دیا ہے مجھ پر"

انھوں نے میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بوسہ دیا اور اُسے چھوڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولیں۔

"—— اچھا جاؤ —— خدا حافظ —— خسب بخیر میں محتاط رہوں گی ——"

وہ اپنے پلنگ پر پہونچ کر بیٹھیں کیا بلکہ گر پڑیں اور میں باہر نکل آیا۔

اگرچہ میں نفیس اور بلقیس دونوں سے بے تکلف ہو چکا تھا! اور دونوں نے مجھے اپنے گلشنِ شباب کی خوشہ چینی کا موقع دیا لیکن میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دونوں میں سے کون مجھے زیادہ پسند ہے اور نہ یہ اسقدر آسان تھا۔

میں نے اپنے بستر پر بیٹھ کر سنجیدگی کے ساتھ پہلی بار اس پہلو پر غور کرنا شروع کیا کہ آیا مجھے بلقیس سے زیادہ محبت ہے یا نفیس سے ——

—— جہاں تک حسن و جوانی کا تعلق تھا دونوں خوبصورت اور جوان تھیں —— طبیعتوں میں بھی کچھ زیادہ فرق نہ تھا لیکن۔

—— جب میں نے جوانی کے ان پرکیف اور لطیف ترین لمحات کا تجزیہ شروع کیا تو دونوں میں نمایاں فرق نظر آنے لگا۔

بڑی سرکار بہت زیادہ پرجوش۔ بے باک۔ نڈر اور تجربہ کار تھیں انکے شوق کی بے حجابیاں میرے لئے خطرہ بنتی جا رہی ہیں —— اور میں ان کے لئے پہلا مرد نہ تھا —— لیکن اس کے برعکس منجھلی

سرکار شوخ ضرور تھیں لیکن اتنی زیادہ پرجوش اور نڈر نہیں۔

پچکے گالوں والے زرد رو ارشد نے ان کے سامنے جس پرکیف زندگی کا تخیل پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھ سے بے تکلف ہو جانے کے بعد اب وہ ان کو بالکل پھیکی۔ خشک اور بے کیف نظر آ رہی تھی۔

جنسی اعتبار سے میں ان کی زندگی میں پہلا مرد تھا اور ارشد ——؟ اسے وہ بحرِ بے کراں سمجھی تھیں۔ لیکن بعد میں سراب ثابت ہوا۔

جوانی کے نقطۂ نظر سے بلقیس اور نفیس میں وہی فرق تھا جو ایک ریڈیو اور اعلیٰ قسم کے گراموفون میں ہوتا ہے۔

میرے لئے دونوں میں امتیاز کرنا یا ایک دوسرے پر ترجیح دینا دشوار تھا۔

میں انھیں خیالات میں لیٹ گیا اور بہت جلد جلد نیند آ گئی۔ رات کو کسی وقت بلقیس نے آ کر مجھے بیدار کیا اور اپنے کمرے میں لے گئیں۔

اگرچہ اب مجھے نفیس کی طرف سے بھی اطمینان ہو گیا تھا لیکن اسکے باوجود میں نے قدرے خوف و ہراس طاری کرتے ہوئے کہا۔

منجھلی سرکار نے پرسوں رات کو مجھے آپ کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔"

"سچ ——"

انھوں نے دیوار پر لگا ہیں جما دیں۔

"ہاں ——"

کچھ دیر بعد انھوں نے پوچھا۔

"کچھ کہہ رہی تھی ——"

بہت اکھڑی ہوئی تھیں —— وہ کیئے میں نے بہت سمجھا بجھا کر خاموش کرایا ہے —— ورنہ وہ صاحب سے شکایت کرنے والی تھیں ——"

تم نے کیا کہا ——"

"اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر جھٹلا دیا۔ بہرحال اب ہر رات کا آنا جانا بھی ٹھیک نہیں ——"

بلقیس کچھ دیر تک خاموش رہیں پھر سرگوشیوں کے انداز میں کہنے لگیں۔

"—— لیکن وہ بے چاری شکایت کیا کریں گی —— خود جوارشد سے پٹی چمٹی رہتی ہیں —— اگر وہ کچھ کہیں گی تو میں بھی ڈیڈی سے ان کا کچا چٹھا بیان کر دوں گی ——"

"—— لیکن اس آپس کی لڑائی سے فائدہ کیا ہوگا —— تم لوگوں کا تو کچھ نہ بگڑے گا —— لیکن میری ملازمت جائے گی ——

"ملازمت کیسے جائے گی ——؟"

جب یہ راز کھلے گا تو میں خود ہی یہاں سے چلا جاؤں گا"!

"تو راز ہی کیوں کھلنے لگا ——"

"آثار تو ایسے ہی نظر آ رہے ہیں ——"

"تو کیا کیا جائے ——"

انھوں نے مجھ سے دریافت کیا۔

"میں نے ان کو مطمئن کر دیا ہے، تم اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کرو۔ اور ان سے اسی طرح یعنی حسب سابق پیش آؤ ان کے دل میں کوئی برائی نہیں ہے ——"

وہ مجھے پُر معنی نگاہوں سے دیکھ کر مسکرائیں اور میری پسلیوں میں چٹکی لے کر بولیں۔

"اچھا اب میں سمجھی ——"

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کش مکش شروع ہوگئی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ ان کا عضو عضو پھڑکنے لگا۔

دونوں کے خون میں حرارت پیدا ہو چکی تھی اسلئے اس کو حد اعتدال پر لانے کی جدوجہد ہونے لگی۔

دونوں کے چہرے تمتما اٹھے۔ جسم میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوگئی اور کچھ دیر بعد دونوں دنیا و مافیہا سے غافل ہوگئے۔

دوسرے روز تعطیل تھی۔ اس لئے تینوں بہنیں صبح ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں چلی گئیں اور شب کو ۹ بجے واپس آئیں۔ میں بھی رحیم خاں کے ساتھ ان کے بھائی کے یہاں میلاد شریف میں چلا گیا۔

۶

وقت گذرتا گیا اور اسی کے ساتھ میری جولانیاں بڑھتی رہیں اسی دوران میں میں نے پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں مجھے نفیس سے بہت مدد ملی اور جلیس بھی روزانہ مجھ پر ایک گھنٹہ صرف کرنے لگیں میں انکی اس توجہ سے بہت خوش تھا۔ کیونکہ اگرچہ وہ مجھ سے دور ہی دور رہتی تھیں لیکن اس کے باوجود بلقیس اور نفیس کے مقابلہ میں میں ان کی طرف خود بخود کھنچتا تھا۔ اور پہلی ٹکڑ کا سرور ابھی تک باقی تھا۔

جہاں تک نفیس اور بلقیس کا تعلق تھا مجھ کو دونوں سے یکساں طور پر دلچسپی تھی لیکن بلقیس کے مقابلہ میں نفیس کو مجھ سے زیادہ انسیت تھی اسلیئے کچھ عرصہ بعد انھوں نے بلقیس کے سلسلہ میں اعتراضات شروع کر دیئے لیکن یہ اعتراضات بالکل راضی برضا قسم کے ہوتے تھے۔

مجھے وہاں سے جو تنخواہ ملتی تھی وہ میں اپنی ماں کو بھیجدیتا تھا تنخواہ کے علاوہ بھی میری کافی آمدنی تھی۔ یعنی تینوں بہنیں ہر ماہ مجھ کو دس بیس اور پچاس روپیہ تک دیدیا کرتی تھیں۔

جلیس نے ایک روز مجھ سے کہا کہ میں پڑھ لکھ کر کچھ کاروبار کروں۔ اور اس کاروبار کے لئے ابھی سے کچھ پس انداز کروں۔

مشورہ معقول تھا اس لئے میں نے ڈاک خانہ میں اپنا حساب کھول دیا۔

تین ماہ بعد رحیم خاں ٹھیکہ دار صاحب سے طویل رخصت لے کر حج کو چلے گئے۔

چونکہ چلتے وقت رحیم خاں نے بھی میرے متعلق ٹھیکہ دار صاحب سے بہت کچھ کہہ سن دیا تھا اور ان کی صاحبزادیوں نے بھی پُر زور الفاظ میں میری سفارش کی تھی اس لئے انھوں نے مجھ کو رحیم خاں کی جگہ ملازموں کا انچارج بنا دیا اور تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا۔

اب میں زنان خانہ کے کاموں کے ساتھ ہی کوٹھی کی بھی دیکھ بھال کرنے لگا اور خصوصاً ٹھیکہ دار صاحب کے تفریحی اوقات میں کوٹھی میں میری موجودگی ضروری ہو گئی۔

ابتدا میں میں ان کے گندہ مشاغل سے اکتا کر ملازمت چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن اب ایسے موقعوں پر ٹھیکہ دار صاحب کے ہر حکم کی تعمیل میں ایک مسرت اور ایک کیف محسوس کرتا تھا

ایک روز بلقیس نفیس اور جلیس صبح اپنے کسی عزیز کے یہاں چلی گئیں۔ میں دوپہر کو بالکنی کے پردے کھینچنے کے قریب بلقیس کے کمرے کے دروازے کے سامنے لیٹا ہوا گنگنا رہا تھا کہ زیب النساء آ گئی۔ میں اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے مسکرا کر پوچھا "مہراب ـــــ تمہاری بڑی سرکار کہاں ہیں ـــــ"

"اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں گئی ہوئی ہیں ـــــ"

"مار ڈالا کمبخت نے ——"

زیب النسار نے آنکھوں سے دھوپ کا چشمہ اتار کر رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت وہ سفید ساٹن کی شلوار اور شمیض پہنے ہوئے تھی اور گلے میں آبی رنگ کا دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔

دھوپ میں چل کر آنے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ اپنے دانتوں میں چشمے کی کمانی دبا کر کچھ سوچنے لگی۔ میری نگاہیں اسکے حسین پیکر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ دراز قد۔ متناسب الاعضا اور دلکش خدوخال کی لڑکی تھی۔

میں کچھ دیر تک اس کو دیکھتا رہا اس وقت وہ مجھ کو بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ ایک ساعت بعد میں نے پوچھا۔

"کوئی ضروری کام تھا ——؟"

"نہیں ——" زیب النسار نے اسی طرح سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"گھر پر طبیعت گھبرائی ——— میں نے کہا چلو یقیس ہی کے پاس چل کر چین لڑائیں ——"

"تو پھر چلئے ——— کمرے میں بیٹھئے ——"

زیب النسار نے مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"_____ کچھ خاطر تواضع بھی کرو گے _____؟"

"کیوں نہیں _____ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"چل کر بیٹھئے تو _____"

وہ میرے ہی ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی میں نے پنکھا کھول دیا اور اس سے کہا۔

"_____ اب دوپہر کے وقت کہاں جایئے گا یہیں آرام کیجئے _____ سینڈل اتار ڈالئے _____"

مکان سے یہاں تک آتے میں پسینے میں تر ہو گئی _____"

"غسل کر لیجئے _____"

"ہاں تجویز معقول ہے _____"

زیب النساء دوپٹہ سرہانے پھینک کر سینڈل اتارتے ہوئے غسل خانے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد زیب النساء نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر جھانکا اور مجھ سے کہا۔

"سہراب یہاں تولیہ نہیں ہے جسم کس چیز سے خشک کروں"

میں نے الماری سے تولیہ نکالا اور غسل خانے کے دروازہ کے قریب پہونچ کر کہا "تولیہ لیجئے _____"

اس نے اندر سے ہاتھ بڑھایا اور اسی کے ساتھ سر نکال کر مجھے دیکھا کہ

اس کا سینہ بھی جھانکنے لگا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور لٹوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے شانوں تک عریاں ہاتھ اور سینہ کے مرمریں ابھار دیکھ کر میرے جذبات میں ہیجان پیدا ہو گیا اور میں نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"——— اگر آپ نے تولیہ سے جسم خشک کر لیا تو پھر غسل سے فائدہ ہی کیا ——— لطف تو جب آتا ہے جب پنکھے کی ہوا بھیگے ہوئے جسم پر لگتی رہے ———"

"تو نہ خشک کروں تولیہ سے ——— زیب النساء نے معصومانہ لہجہ میں پوچھا۔

"نہیں ——— میرے خیال میں تو خشک کرنا بے کار ہے"!

"تو پھر میرے کپڑے جو بھیگ جائیں گے ———"

"ابھی کپڑے پہن کر کیا کیجئے گا"!

اس نے ہنس کر کہا" تو کیا یوں ہی ننگی آجاؤں کمرے میں"!

"ہرج ہی کیا ہے ———"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو کیا میں تمہارے سامنے ننگی آجاؤں"!

میں نے کہا" میں تو آپ کا خادم ہوں، مجھ سے کیا پردہ۔ آپ کی سہیلی بھی مجھ سے کوئی تکلف نہیں کرتیں"!

زیب النساء نے مجھے پرشہوت انداز میں دیکھتے ہوئے کہا" نہیں میں اس طرح نہ آؤں گی مجھے چادر لا دو"!

میں نے ایک باریک ریشمی چادر اٹھا کر دیدی اور وہ اسے اپنے بھیگے بدن پر لپیٹ کر باہر آگئی میں نے للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو آپ جل پری معلوم ہو رہی ہیں"۔

واقعی زیب النسار کا حسن اس وقت زاہد فریب تھا میں بے صبری کے ساتھ اپنی حقیقت کو بھول کر اسی کی ذات میں اپنے کو ضم کر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

زیب النسار نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "——— اچھا اب تمہیں بنانا بھی آگیا ہے"!

میں نے کہا "خدا کی قسم جو جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ آپ خود ذرا آئینہ میں اپنے کو دیکھئے"!

اپنی تعریف سن کر عورت جس درجہ مدہوش ہو جاتی ہے زیب النسار بھی اسی طرح فخر سے آئینہ میں اپنے کو دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"سہراب دروازہ کھلا ہے کوئی اس طرح مجھے اور تمہیں یہاں دیکھے تو کیا ہو۔

میں نے کہا "کچھ بھی نہیں میں تو ایک ادنیٰ خادم ہوں، اور کوئی ہوتا تو چاہے کوئی شبہ بھی کرتا"۔

زیب النسار نے کہا "نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے تم دروازہ بند کر دو"۔

میں اب اپنے حواس میں نہ تھا، میں نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا اور

واپسی پر جو لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زیب النسار پلنگ پر اس طرح چت لیٹی ہوئی تھی کہ چادر بھی سینہ پر سے کھسک گئی تھی۔ میں نے قریب جا کر کہا۔

"آپ تھکی ہوں گی ہاتھ پیر دبا دوں ——"

زیب النسار نے مسکرا کر دیکھا اور کہا "جو چاہو دبا دو۔ واقعی میرے سارے جسم میں درد ہو رہا ہے"!

اب کیا تھا میں نے اپنے جوہر دکھانا شروع کر دیئے۔ ہاتھ پیر دباتے دباتے میں گستاخی کی حدود سے بھی تجاوز کر گیا۔

اس وقت مجھے نہ کوئی ڈر تھا نہ غم۔ میں کیف و سرور کے بحر ناپیدا کنار میں غوطے کھاتے کھاتے ڈوب گیا اور جب ابھرا تو زیب النسار پھر غسلخانہ میں چلی گئی تھی، میں اٹھ کر کپڑے درست کرتا آہستہ سے دروازہ کھول کر چوروں کی طرح باہر نکلا۔

کوٹھی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور نیچے جا کر لسی کا ایک عمدہ گلاس بنا کر پھر اوپر آ گیا۔

زیب النسار غسل خانہ سے لباس پہن کر آ چکی تھی اور سنگار میز کے سامنے بیٹھی کنگھا کر رہی تھی، مجھے آئینہ میں دیکھ کر کہنے لگی۔

"دیکھو سہراب میری عزت تمہارے ہاتھ ہے۔ کسی سے کچھ نہ کہنا"۔

میں نے گلاس سنگار میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ میں تو خادم ہوں آپ کا۔ بھلا میری اتنی ہمت پڑ سکتی ہے"!

وہ مطمئن ہو گئی اور میں باہر چلا آیا۔ زیب النسار تیسری نوجوان

عورت تھی جس نے مجھے اس لذت سے روشناس کیا جس کا کیف و سرور بلقیس نفیس مجھے پہلے ہی بخش چکی تھیں.

دو چار روز بعد پھر اس نے ایک ایسا ہی موقع نکال لیا. اس روز تینوں بہنیں اسکول میں تھیں. وہ اسکول سے چھٹی لے کر آئی اور ایک گھنٹہ بعد چلی گئی.

اظہارِ شوق میں وہ بلقیس سے بھی زیادہ بے باک اور بے تکلف تھی. ایک روز میں نے اس سے تنہائی میں کہا.

"زیب النساء دیکھو بلقیس کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ ان کو شک ہو ——"

"—— اگر ہو گا بھی تو ——"

"میری ملازمت کا معاملہ ہے ——"

وہ ہنستی ہوئی چلی گئی.

پہلے مجھے بلقیس کی سہیلیوں سے نفرت تھی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا چال چلن مشتبہ تھا لیکن زیب النساء سے تعلقات کے بعد میں اس گھر میں آنے والی ہر لڑکی کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا.

ایک نہر یا دریا جو صدہا کھیت ہزارہا باغات اور لاکھوں درختوں کو سیراب کرتا ہے لیکن جب طغیانی آتی ہے یا کسی اور وجہ سے بند توڑ دیتا ہے تو اپنے گرد ایک محدود رقبہ میں سیلابی کیفیت پیدا کر کے کھیتوں باغوں اور فصلوں کو تباہ کر دیتا ہے اور ہر وہ چیز جو اس کے راستہ میں آتی ہے

اسے کاٹتا ہوا اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

اب میری حالت بھی بالکل ویسی ہی تھی۔ ٹھیکہ دار صاحب کی عیاشی انکی صاحبزادیوں کی آزادی اور بے باکی اور اس گھر کے ماحول نے میرے اخلاقی بندوں کو توڑ دیا تھا۔ میری جوان امنگوں میں سیلاب آچکا تھا اور اب میری جوانی کا دھارا اپنی پوری شدت کے ساتھ بہہ رہا تھا اور ہر وہ چیز جو اس کی زد میں آرہی تھی اپنے ساتھ بہائے لئے چلا جارہا تھا۔ لیکن جلیس اپنی جگہ پر ایک مستحکم چٹان کی طرح قائم تھی وہ چٹان جس کے استحکام سے سیلابی دھارے بھی اپنا رُخ بدل دیتے ہیں۔ میں اس کو ایک ناتجربہ کار الھڑ لڑکی سمجھا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ بلقیس نفیس اور زیب النساء کی طرح وہ بھی میرے قد و قامت۔ صحت و تندرستی اور مردانہ حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ لیکن اس کو دیکھتے ہی میں خود ہی مرعوب ہو جاتا تھا۔

میری حالت اس خوفناک بھیڑیئے کی سی ہو گئی تھی جو انسانی خون چاٹنے کے بعد موقع پاتے ہی ہر بوڑھے اور بچے پر جھپٹ پڑتا ہے اور اُسے پھاڑ ڈالتا ہے۔ لیکن جلیس کے سامنے بھیگی بلی ہو جاتا تھا۔

زیب النساء کے بعد ایڈنا کی باری آئی۔ ہوا یہ کہ ایک روز شام کو تینوں بہنیں اور ان کی چند سہیلیاں باغ میں ٹینس کھیل رہی تھیں۔ میں نفیس کے کمرے کے سامنے برآمدے میں بیٹھا ہوا انگریزی پڑھ رہا تھا کہ ایڈنا آگئی۔

اس وقت وہ نیلگوں زنانہ نیکر اور سفید قمیض پہنے ہوئے تھی سنہرے پٹے کانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور رانوں سے گھٹنوں تک کا حصہ بالکل عریاں تھا۔ پیروں میں سفید جوتے اور سفید موزے تھے۔

مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ٹھیکہ دار صاحب کی بھی منظور نظر ہے اور بلقیس بھی اس کو بہت چاہتی ہے اس لئے مجھے بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں اب میں بھی ایسی ہی حسین و جمیل اور خوش لڑکیوں سے ربط و ضبط بڑھانے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس لئے خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔

وہ اپنا بلا ہلاتی مسکراتی اور بل کھاتی ہوئی میرے پاس آگئی میں کھڑا ہو گیا۔

اس نے کہا "سہراب! مجھ کو تم سے کام ہے"۔

"کہیئے ——"

"او تم انگریزی پڑھتا ہے —— ویری نائس ——"

"کوشش کر رہا ہوں ——"

"آج تم ہمارا ایک کام کرے گا ——"

"ضرور کرے گا ——"

"لیکن بڑا سرکار سے مت بولو —— ٹیکا دار صاحب سے ہم بول دیا ہے۔ تم ان سے روپیہ لے کر حضرت گنج جاؤ —— ریڈیو کا دوکان پر —— وہ دوکان جہاں پر تم ایک روز گیا تھا۔ —— اور وہاں سے ہمارا ریڈیو ہمارا کوٹھی پر پہونچا دو ——

——— لیکن یہ سب کسی سے مت بولو ———

معلوم ———

"معلوم ———" میں نے ہنس کر جواب دیا ———

اس نے بھی مسکرا کر اپنا بٹلا میرے گالوں پر لگا دیا اور چلی گئی۔

شام کو ٹھیکہ دار صاحب سے روپیہ لے کر میں حضرت گنج گیا اور دوکان سے اس کا ریڈیو لے کر اس کی کوٹھی پہونچا تو اس کے کمرے میں ٹھیکہ دار صاحب کو دیکھا۔

اس وقت کوٹھی میں صرف ایڈنا ہی تھی یا ٹھیکہ دار صاحب دونوں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

ایڈنا شاید بہت زیادہ پی چکی تھی۔ لیکن ٹھیکہ دار صاحب بہت سنبھلے ہوئے تھے۔ وہ کسی انگریز سے ملنے جا رہے تھے اور ایڈنا کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ کہیں جا سکے اس لیے وہ تنہا واپس چلے گئے اور چلتے وقت مجھ سے کہہ گئے کہ ریڈیو کو ایڈنا کے کمرے میں لگا کر میں فوراً واپس چلا جاؤں۔

ان کے جانے کے بعد ہی میں ریڈیو لئے ہوئے ایڈنا کے کمرے میں پہونچا۔

اس وقت اس کے جسم پر صرف ایک لانبے ریشمی عبا کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

میں نے ریڈیو میز پر رکھ کر اس کے تار ٹھیک کئے اور اس کو چالو کر دیا۔

ایڈنا کرسی سے لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور میرے قریب آتے ہی میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"فارن اسٹیشن ——"

میں نے سوئچ گھمایا اور ریڈیو پر انگریزی ساز بجتا ہوا سنائی دیا۔

"ونڈر فل ——"

ایڈنا کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے میرے جسم سے اپنے جسم کو ملاتے ہوئے کہا۔

"اِٹ از فار رمبھا ڈانس —— رمبھا ڈانس ——

—— سہراب میرے ساتھ ڈانس کرو ——"

"لیکن میں تو ڈانس جانتا بھی نہیں ہوں ——"

اس کے جواب میں اس نے میرا ایک ہاتھ اپنی کمر پر رکھا دوسرا اپنی بغل میں دبایا اور اپنا ایک ہاتھ میری کمر میں ڈال کر دوسرا ہاتھ بغل سے گزار کر میری پشت پر رکھ دیا اور مجھ سے لپٹ کر انگریزی طریقہ پر ڈانس کرنے لگی۔

اول تو میں اس رقص سے ناواقف تھا دوئم اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اس لئے صوفے کے قریب پہونچتے ہی دونوں کے پیر الجھ گئے اور ہم دونوں

صوفے پر اس طرح گرے کہ وہ پوری طرح میری آغوش میں آگئی۔
صوفے پر گرتے ہی اس کی عبا کے بند کھل گئے اور وہ بالکل عریاں ہوگئی۔

کھڑکیوں اور دروازے کے اوپر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ بجلی کا پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھا۔

میں سہم گیا ڈر رہا تھا کہ کہیں اس حالت میں ٹھیکہ دار صاحب آگئے تو کیا ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں سنبھلوں ایڈنا نے ڈارلنگ کہہ کر مجھے لپٹا لیا۔

اس کے جسم سے لونڈر اور منہ سے شراب کی بو اڑ رہی تھی۔ میں خوف و دہشت کے باوجود اس کی اس حرکت کے بعد وہی کرنے لگا جو ایک نوجوان ایسے موقع پر کر سکتا ہے۔ اور کچھ دیر بعد جب اس کا نشہ کچھ کم ہو گیا تو میں کوٹھی واپس لوٹ آیا۔

اِدھر کچھ عرصہ سے بلقیس اور زیب النسار کی سہیلی شیلا بھی روزانہ آنے لگی تھی۔

اس کا رنگ سانولا تھا لیکن ناک نقشہ کی بہت اچھی تھی اور ناچ میں خاص مہارت رکھتی تھی۔

ابتدا میں تو میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی لیکن ایک روز اس کا ناچ دیکھ کر میں اس کی طرف مائل ہو گیا۔ اور دو چار روز بعد

میں نے تنہائی میں زیب النساء سے اس کے متعلق دریافت کیا۔

اس نے ہنس کر کہا "——— کیا اس پر بھی طبیعت آگئی ———"

"کیا تم بھی طبیعت آنے کی قائل ہو ———؟"

"قطعی نہیں ——— عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے، اور مرد عورت کے لئے۔ جب عورت اور مرد آپس میں مصافحہ کر سکتے تو جنسی تعلقات کو کیوں عیب سمجھا جاتا ہے ——— یہ فلسفہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا ہے"

"——— اور نہ آسکتا ہے ———" میں نے ہنس کر کہا۔ ہاں ممکن ہے دو چار سال بعد جب جوانی کا جوش کم ہو جائے تو شائد اس فلسفہ کو سمجھ سکو گی۔

"اوہو ———" اس نے میرے رخسار پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"اب تو تم عالمانہ انداز میں بحث کرنے لگے ہو ———"

ہائی اسکول کی امتحان کی تیاری میں بے تحاشہ مصروف ہوں ———"

"——— اور جلیس گلستان کے پانچویں باب کی تشریح کر رہی ہیں ——— اس کے نکات سمجھاتی رہتی ہیں"۔

"زیب النساء ———" میں نے قدرے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

"——— جلیس کے متعلق ایسی باتیں نہ کیا کرو ——— وہ ابھی معصوم ہے ———"

دنیا میں دو ہی تو معصوم رہ گئے ہیں ——— ایک وہ اور ایک تم ———"

مجھ کو جو جی چاہے کہہ سکتی ہو ——— لیکن واقعی وہ معصوم ہے ———"

زیب النساء نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "واقعی تم سچ کہہ رہے ہو ——— کیا ابھی تک تم ———"

جلیس کی شان میں میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کا جملہ مکمل ہونے سے قبل بول اٹھا۔

"——— خدا گواہ ہے ———"

"وہ بہت بے وقوف لڑکی ہے ——— اور اس سے زیادہ تم بے وقوف ہو ———"

میں نے جل کر کہا "زیب النساء تم ایک غیر متعلق موضوع پر بلاوجہ گفتگو کر رہی ہو ——— اس کی بے وقوفی پر تمہاری جیسی ہزار لڑکیوں کی خرد مندی قربان کی جا سکتی ہے ———"

اس نے بُرا ماننے کے بجائے قہقہہ لگایا اور میرا کلّہ نوچ کر کہا "اچھا تو جناب اس سے عشق فرما رہے ہیں ———"

"تم لوگوں نے اس قابل ہی نہیں رکھا ———"

اس نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا "کل میرے یہاں آؤ تو شیلا کا ناچ دکھاؤں ۔"

"آؤں گا ۔۔۔۔"

میں دوسرے روز دوپہر کو زیب النسار کے مکان پر پہونچا۔ وہ بنارسی باغ کے قریب اپنے بھائی اور بھاوج کے ساتھ ایک فلیٹ میں رہتی تھی اس کے بھائی نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ دونوں ایک ہی آفس میں کام کرتے تھے۔

زیب النسار محض تعلیم کی غرض سے ان کے پاس ٹھہری ہوئی تھی۔ اور چونکہ کالج سے واپسی کے بعد وہ عموماً تنہا رہتی تھی اس لئے بلقیس کے پاس چلی آتی تھی۔

جس وقت میں زیب النسار کے مکان پر پہونچا شیلا اس کے کمرے میں رقص کی مشق کر رہی تھی۔

زیب النسار نے مجھے اپنے پاس ہی صوفے پر بٹھا لیا اور شیلا ناچتی رہی زیب النسار میری موجودگی میں اس سے بیہودہ اور فحش مذاق کرتی رہی۔ اور مجھے بھی اس میں حصہ لینے پر مجبور کرتی رہی۔ دو ایک بار اس نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے اشارہ کیا کہ میں مذاق ہی مذاق میں اس کو کھینچ کر اپنی گود میں بٹھا لوں۔ آخر ایک بار خود اس نے شیلا کو میرے اوپر گرا دیا۔ اور جب میں نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ تو زیب النساء کمرے سے نکل گئی۔ شیلا نے معمولی مزاحمت کرتے ہوئے زیب النساء کو آواز دے کر کہا۔

"——— جا کہاں رہی ہو ——— اچھا اچھا ———
میں تمہارا مطلب سمجھ گئی ———"

میں نے اس کو دبوچ لیا اور اس کو اسی طرح اپنی آغوش میں لیے ہوئے اُٹھ کر اندر سے دروازے کی چٹخنی لگالی.

شیلا نے برائے نام مزاحمت کی۔ وہ میری دست درازیوں اور بے باکانہ اقدام سے خوش تھی.

اس کے جانے کے بعد جب میں نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو زیب النساء نے کہا.

"——— اتنی تیز دھوپ میں کہاں جاؤ گے ———"

میں سمجھ گیا کہ وہ اپنا کمیشن طلب کر رہی ہے. مجبوراً ۴ بجے تک اس کے کمرے میں رہنا پڑا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد ایک روز دوپہر کے وقت ایڈنا آئی. وہ شاید ٹھیکہ دار صاحب کے پاس سے آرہی تھی کیونکہ بری طرح، شراب پیئے ہوئے تھی۔

بلقیس اپنے کمرے میں سو رہی تھیں اور نفیس اپنی ایک سہیلی کیساتھ نیچے کمرے میں بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھیں. میں نے پالکی کے پردے کھینچ دیئے تھے اور بید کی کرسی پر بیٹھا ہوا تاریخ ہند دیکھ رہا تھا. ایڈنا میرے پاس آتے ہی میری گود میں بیٹھ گئی. اور بے محابہ پیار کرنے لگی. میں نے اس کو اٹھا کر دوسری کرسی پر بٹھانا چاہا تو وہ مجھ سے لپٹ گئی اور انگریزی

زبان میں زور زور سے اظہار محبت کرنے لگی۔

اس کی آواز سن کر جلیس اپنے کمرے سے نکل آئیں اور ایڈنا کو میری آغوش میں دیکھتے ہی الٹے پیروں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میرے پیروں کے تلے سے زمین نکل گئی۔ کاٹو تو خون نہیں۔

ایڈنا بھی میری اس سراسیمگی اور پریشانی سے متحیر ہو گئی۔ میں نے اس کو جھنجھلا کر علیحدہ کر دیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

وہ میرے بدلے تیور دیکھ کر ہنستی ہوئی بلقیس کے کمرے میں چلی گئی۔

میں نے فوراً اپنے حواس درست کئے اور ڈرتا ہوا جلیس کے کمرے میں داخل ہوا وہ اکثر دبی زبان میں مجھے ان لغویتوں سے دور اور محتاط رہنے کی تلقین کرتی رہتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی غضبناک ہو کر مجھ پر جھپٹ پڑیں گی لیکن اس کے برعکس اس نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

وہ آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی بال جبریل دیکھ رہی تھی میں اس کے قریب پہونچ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ساعت بعد اس نے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں ـــــ کیا ہے؟"

اس کے لہجہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے میں نے کہا۔

"میں کچھ کہنے آیا ہوں ـــــ"

"کہو ——"

"میں آپ لوگوں کا تابعدار ہوں —————— اور بڑی سرکار کی سہیلیاں ——"

پوری بات سننے سے قبل اس نے قطعی بے تعلقی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ باتیں آپا جان سے کہو یا ابا جان سے"

وہ پھر کتاب پڑھنے لگی۔

اس کے رویہ سے میرا دل بیٹھنے لگا لیکن میں نے پھر ہمت کر کے کہا۔

"چونکہ آپ کو مجھ سے ہمدردی ہے اور اس وقت آپ نے ایڈنا کو مجھ سے ہاتھا پائی کرتے ہوئے دیکھ لیا اس لئے میں ——"

میرا جملہ ختم ہونے سے قبل وہ بول اٹھی "غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے ——"

میرا دل مسرت سے لبریز ہو گیا۔

اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "—— میں نے تم سے ہمدردی ظاہر کی —— غلطی کی ——"

چشم زدن میں میری مسرتوں کا قلعہ مسمار ہو گیا —— وہ اسی طرح کہتی رہیں۔

"—— تم قطعی ہمدردی کے مستحق نہیں —— پہلے میں بھی

یہی سمجھتی تھی کہ بندگی بیچارگی کے ماتحت تم ان لوگوں کی ان لغویتوں میں حصہ لیتے ہو ـــــ لیکن ایسی طبیعت کے ہو نہیں ـــــ اسی لئے دو چار بار تم کو سمجھایا ـــــ"

"میں اس کا اعتراف کرتا ہوں ـــــ"

اس نے میرے جواب کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا" ـــــ اور اس کا بھی اندازہ لگا لیا کہ واقعی تم ان صحبتوں سے احتراز کرتے ہو ـــــ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تم زیادہ عرصہ تک ان حالات کا مقابلہ نہ کر سکے ـــــ یہ کردار کی کمزوری کا نتیجہ ہے ـــــ بہرحال مجھ کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہے ـــــ جاؤ ـــــ اپنا کام کرو ـــــ"

میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ ندامت سے سر جھکا ہوا تھا۔ میں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن قوت گویائی سلب ہو گئی۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر طرف ایک بے ہنگام شور ہو رہا ہے اور اس کی شدت سے میرے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے ہیں۔ اسی شور میں ایک بار مجھے پھر اپنے کانوں میں اسکی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

"ـــــ جاؤ ـــــ جا کر اپنا کام کرو ـــــ میں آرام کرنا چاہتی ہوں ـــــ"

میں اسی عالم میں آہستہ آہستہ کمرے سے نکل کر بالکنی میں آگیا اور کرسی پر بیٹھنے کے بجائے گر پڑا۔ اس وقت میرا سر چکرا رہا تھا اور میں

ایک عجیب قسم کا اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ میں نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تاکہ ٹھنڈا پانی پی لوں اور حالت قدرے سنبھل جائے لیکن ہر بار کرسی پر گر پڑا۔

میں اسی حالت میں پڑا تھا کہ الطاف نے آکر کہا "سہراب بھیا ـــــ تمہارا تار آیا ہے ـــــ"

"میرا تار ـــــ؟"

میں نے گھبرا کر پوچھا۔ اس گھبراہٹ میں میں نے اپنی اعصابی کمزوری پر قابو پا لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں ـــــ" الطاف نے کہا۔

"تار والا نیچے کھڑا ہے چلو چل کر لے لو ـــــ"

ـــــ "کہاں سے تار آ سکتا ہے ـــــ؟" میں نے اپنے دل دل میں سوچنا شروع کیا۔

"ابھی کل ہی والدہ کا خط آیا ہے وہ اور بہن دونوں خریت سے ہیں ـــــ"

میں نیچے پہونچا اور تار لے کر پڑھا یہ تار میرے ہمسایہ جب علی نے بھیجا تھا اس میں لکھا تھا۔

تمہاری والدہ جل گئی ہیں فوراً آؤ ـــــ"

میں اسی وقت ٹھیکہ دار صاحب کے پاس پہونچا۔ اگرچہ وہ اسوقت سوئے ہوئے تھے لیکن میں ان کی خواب گاہ میں پہونچا اور ان کو بیدار

کر کے تار دکھایا۔

انھوں نے کہا "——— اس وقت تو کوئی ٹرین ملے گی نہیں ——— رات کی ٹرین سے جاؤ ———"

میں زنان خانے میں واپس آیا اور جلیس کے پاس پہونچا۔ وہ دریچہ کے پاس کھڑی ہوئی باغ کی طرف دیکھ رہی تھیں مجھے مغموم اور پریشان دیکھ کر فوراً میری طرف متوجہ ہو گئیں اور پوچھا۔

"کیا بات ہے ———؟"

میں نے جواب دینے کے بجائے تار دکھایا۔ انھوں نے کہا۔

"پہلی ٹرین سے چلے جاؤ ——— بشرطیکہ یہاں کی رنگین صحبتیں اجازت دیں ———"

میرے دل پر ایک تیر سا لگا۔ انھوں نے سنگار میز کے پاس آکر دراز کھول کر اپنا بٹوا نکالا اور مجھے دس دس کے پانچ نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

"لو یہ رکھ لو ———"

یہ میرے لئے پہلا انعام نہ تھا میں نے روپیہ لے کر جیب میں رکھ لیا اور تاسف کر کہا۔

"مجھے امید ہے کہ آپ میری غلطیوں کو معاف کر دیں گی"

"میں معاف کر چکی ہوں ——— کیا واپس آنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"میں اپنی نظروں میں خود ذلیل ہو چکا ہوں ——— میرا ضمیر

مجھ کو ملامت کر رہا ہے ——— یہ میری انتہائی بے شرمی ہے کہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں ———"

"تمھارا یہاں نہ آنا ہی اچھا ہے ——— بہر حال اگر تم کو اپنے گناہوں کا احساس ہے تو اصلاح کی امید ہو سکتی ہے ——— لیکن ——— خیر ——— خدا تم کو نیک توفیق دے ——— اور تمھاری والدہ پر رحم کرے خدا کرے وہ اچھی ہوں ———"

ان اس ہمدردی سے میری آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور میں باہر آگیا ——— مجھے اپنے گناہوں کا احساس ہو چکا تھا۔ اور تار آنے کے بعد سے میں یہی سمجھ رہا تھا کہ خدا نے مجھے میرے گناہوں کی اس صورت میں سزا دی ہے۔

شام کو ٹھیکہ دار صاحب نے مجھے ۳۰ روپے دیئے۔ میں سب سے رخصت ہو کر اسٹیشن پہونچا۔ اور دوسرے روز جب اپنے گھر پہونچا تو معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے مکان میں آگ لگ گئی اور میری ماں اور بہنیں دونوں بری طرح جل گئیں میں اسپتال کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن مجھ کو راستہ میں معلوم ہو گیا کہ میرے پہونچنے سے قبل ہی دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔

———:☆:———

۷

والدہ اور بہن کی تکفین اور تدفین اور درود و فاتحہ کے سلسلہ میں مجھ کو ایک ماہ گھر پر رہنا پڑا اس عرصہ میں مجھ کو اپنے ماضی حال اور مستقبل کے متعلق غور کرنے کا اچھا موقع ملا۔

میں جب اپنی والدہ اور بہن کو آخری بار سلام کر کے لکھنؤ روانہ ہوا تھا اس وقت میں بالکل معصوم تھا۔ خدا سے ڈرنے والا۔ اس کے نبی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے والا لیکن واپسی پر میری دنیا ہی بدلی ہوئی تھی والدہ اور بہن جل کر مر چکی تھیں اور میں جہنم میں جانے کی خود میں پوری صلاحیتیں پیدا کر چکا تھا۔ میری لغزشیں میری نگاہوں کے سامنے تھیں۔ اور اُن کی سزا؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوگی ——— فی الحال تو مجھ سے میری دو عزیز ترین ہستیاں میری ماں اور بیوہ بہن دونوں چھین لی گئی تھیں۔ غالباً قدرت کا انتقام شروع ہو چکا تھا۔

ایک ماہ بعد میں لکھنؤ سے واپس آ گیا۔ رحیم خاں جج سے واپس آ چکے تھے اور ٹھیکہ دار صاحب نے ان کو ان کے فرائض تفویض کر دیئے تھے لیکن منشی جی بیمار ہو کر اپنے وطن نگینہ چلے گئے تھے۔ ٹھیکہ دار صاحب نے ان کا جملہ کام میرے سپرد کر دیا۔ اس سے قبل بھی میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہتا تھا۔ اس لئے مجھے اس کام کو سنبھالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

ٹھیکہ دار صاحب، بلقیس، نفیس اور جلیس نے اظہار افسوس کے ساتھ صبر کی

تلقین کی اور میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوگیا لیکن اب مجھ میں وہ شگفتگی نہ تھی۔

بلقیس پر میری آمد کا کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ نفیس کو ضرور خوشی ہوئی تھی لیکن جلیس حسب سابق خاموش تھی۔

میں نے بلقیس اور نفیس سے حتماً کوشش کی اور زیادہ وقت کوٹھی پر گذارتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان سے دامن نہ بچا سکا لیکن اب دونوں سے وہ گرم جوشی نہ تھی۔

وہ دونوں عادتاً مجبور تھیں اور میں کچھ ملازمت کے خیال سے اور رسماً یا جوانی کے زیر اثر کبھی کبھی دلچسپی لے لیتا تھا۔

میں نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا تھا۔ اور اس طرح جلیس کے پاس بیٹھنے کا موقع مل جاتا تھا۔

اگرچہ میرا دل بجھ چکا تھا لیکن جلیس کا خیال آتے ہی رگوں میں پھر جوش اور تازگی محسوس کرنے لگا تھا۔ اور ان کو دیکھ کر دنیا کو فراموش کر دیتا تھا۔

زیب النساء ایڈنا اور شیلا سے بس دور رہنے لگا تھا وہ تینوں چونکہ ضرورت سے زیادہ آزاد تھیں۔ اس لیے انھوں نے میرے گریز کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ لیکن نفیس کی ایک نفیس کی ایک نئی سہیلی سلمہ کو مجھ سے غیر معمولی دلچسپی ہوگئی تھی اور وہ کسی نہ کسی بہانہ سے روزانہ آنے لگی تھی۔

وہ متوسط طبقہ کے شریف خاندان کی لڑکی تھی اس کے باپ چیف کورٹ

میں سو اسو روپے ماہوار پر ملازم تھے وہ نفیس کی ہم عمر تھی۔ کشیدہ قامت چھریرا بدن کھلتا ہوا رنگ بیضوی چہرہ بڑی بڑی آنکھیں۔ لانبی ناک اور پتلے پتلے سُرخ لب۔ اس میں متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ اب تک اس نے براہ راست مجھ سے گفتگو نہ کی تھی لیکن نفیس کی نظریں بچا کر وہ کبھی کبھی مجھے پریشان کن نظروں سے دیکھ لیتی تھی۔

اس نے میرے متعلق جو رویہ اختیار کیا تھا اس کے پیش نظر کسی کو بھی اس پر شک نہیں ہو سکتا تھا اس لیے مجھے بھی اس کی طرف سے اطمینان تھا گاہے گاہے میں بھی اس کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ لیا کرتا تھا۔ لیکن ایسی باتیں چھپائے سے نہیں چھپتی ہیں۔

نفیس کو کچھ شبہ ہو گیا اور ایک روز رات کو جب ہم اور وہ بالکل آخری منزل پر لیٹے ہوئے تھے انھوں نے کہا۔

"سہراب! سلمہ کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟"

"کیسا خیال ——— ؟"

"وہ تمھاری ہی وجہ سے یہاں آتی ہے"

"کیا اس نے تم سے کہا ہے ——— ؟"

"نہیں ———"

"تو پھر تم کو کسی کے متعلق اور خصوصاً اپنی ایک سہیلی کے متعلق ایسی رائے نہ قائم کرنا چاہیئے۔

اس وقت وہ چپ ہو گئیں لیکن سلمہ کی طرف سے ان کا یہ رویہ بدل گیا

اس نے بھی اس چیز کو محسوس کر لیا لیکن اس کے دل سے لگی ہوئی تھی لہذا اس نے جلیس سے ربط ضبط پیدا کر لیا اور بہت جلد دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد تینوں بہنیں اپنی خالہ کے پاس دہلی گئیں۔ بلقیس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ وہاں پندرہ روز ٹھہریں گی۔

مجھے جلیس کی جدائی کا قلق ضرور ہوا لیکن ایسا بھی نہیں کہ دوسروں پر ظاہر ہو جائے۔

ان تینوں کی عدم موجودگی میں سلمہ ایک بار آئی لیکن نہیں سے باتیں کر کے چلی گئی۔ وہ بہت زیادہ شرمیلی تھی۔

پندرہ روز بعد جب بلقیس نفیس اور جلیس واپس آئیں تو میں نے نفیس میں غیر معمولی تبدیلی دیکھی۔ اب وہ بات بات پر مجھ سے لڑنے لگی تھیں اور مجھے دیکھتے ہی تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے۔ میں بھی ان کی طرف سے کھنچ گیا لیکن ان کے اس رویہ سے دل میں ایک خلش سی محسوس کر رہا تھا۔

ایک روز بلقیس نے مجھے بتایا کہ دہلی میں نفیس کی ایک نوجوان سے ملاقات ہو گئی ہے وہ ان کے خالہ زاد بھائی رؤف کا ہم جماعت ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اکثر ان کے ساتھ سینما دیکھنے بھی گئی ہے اور خالہ کے منع کرنے کے باوجود برابر اس سے ملتی رہی ہے۔ مجھے نفیس سے نفرت ہو گئی۔

برسات شروع ہو چکی تھی۔ میں دوسری منزل کے خالی کمرے میں ایک پلنگ پر لیٹا ہوا اپنے ماضی کے متعلق غور کر رہا تھا کہ مجھے بالکنی میں ایک

سایہ نظر آیا۔ میں اٹھ کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ بجلی چمکی اور میں نے نفیس کو پہچان لیا وہ اس کمرے کے دروازے کے سامنے پہونچ ٹھہر گئیں اور باغ کی طرف دیکھنے لگیں۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اس لئے کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں نے نفیس سسکیوں کی آواز سن لی وہ رو رہی تھیں۔

مجھے نفیس سے اب کوئی لگاؤ نہیں تھا لیکن اب سے کچھ عرصہ قبل وہ میری بے شمار راتوں کو اپنی شمع حسن سے منور کر چکی تھیں اور ہم دونوں تنہائی میں مدتوں کیف و سرور کی دنیا میں رہ چکے تھے اس لئے میں اٹھ کر ان کے پاس پہونچا اور آہستہ سے کہا۔

"نفیس ——— یہاں کیوں کھڑی ہو ———؟"

انھوں نے میری طرف دیکھا لیکن جواب نہیں دیا۔

میں نے ہمدردانہ لہجہ میں پوچھا "کیا بات ہے ——— تم کیوں رو رہی ہو ———؟"

"تم کو اس سے کیا ———"

"ہاں مجھ کو تو کوئی مطلب نہیں ——— اس لئے کہ بہر حال میں اپنی پوزیشن کو سمجھتا ہوں"!

اس پہلے کبھی اپنی پوزیشن پر غور نہیں کیا"!

"غور کیا لیکن تمھاری عنایتوں نے مجھے میرے مقام سے بہت بلند کر دیا تھا"!

وہ اسی طرح روتی رہیں۔ ایک ساعت بعد میں نے کہا: "خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ ——"

کیا میرے رونے سے تم کو تکلیف ہوتی ہے ——؟"

"ہاں ——"

"اسی لئے یہ بے اعتنائی برت رہے ہو ——؟"

"اس کی ذمہ دار تم ہو ——"

"میں ——"

"ہاں —— تم —— بہتر ان باتوں سے اب کیا حاصل یہاں پوچھا رہی ہے۔ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو کمرے میں چل کر میرے پلنگ پر بیٹھو ——"

وہ جواب دینے کے بجائے میرے ساتھ کمرے میں آگئیں اور میرے پہلو میں پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

میں نے کہا —— میری بے اعتنائی کا شکوہ فضول ہے ——"

"کیوں ——؟"

"اسے تم مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتی ہو ——"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کو میری طرف سے بدظن کرایا گیا ہے!"

"—— اب بھی مجھ کو تاریکی میں رکھنا چاہتی ہو!"

قطعی غیر متوقع طور پر نفیس مجھ سے لپٹ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے

لگیں. مجھ سے ان کا رونا نہ دیکھا گیا۔ اور میں نے بھی ان کو سینے سے لگا لیا اور بدقت خاموش کرایا، تو انھوں نے کہا ——

"سہراب میں جو کچھ کہوں گی تم اس پر یقین کرو گے؟"

"اگر یقین کرنے والی بات ہوگی تو ضرور یقین کروں گا!"

"میں سچ کہہ رہی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے —— لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرا اور تمھارا ساتھ ناممکن ہے —— اور میرے لئے یہ بھی ناممکن ہے کہ میں تم کو چھوڑ دوں —— خالہ جان نے ہم لوگوں کو اسی لئے دہلی بلایا تھا کہ وہاں ہمارے رشتے طے ہو جائیں —— آپا جان کی شادی رفیع الدین صاحب سے ہوگئی وہ خالہ جان کے دیور کے بڑے لڑکے ہیں اور نئی دہلی میں فرنیچر کا کارخانہ کھولے ہوئے ہیں. ان کے چھوٹے بھائی شفیع الدین میرے خالہ زاد بھائی رؤف کے ہم جماعت ہیں وہ آئندہ سال ولایت جائیں گے —— —— چونکہ انھوں نے مجھ سے محبت ظاہر کی اس لئے میں نے اُن سے شادی کا وعدہ کر لیا ہے ——"

"یعنی تم کو بھی اُن سے محبت ہوگئی ہے ——؟" میں نے دریافت کیا۔

"تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو اور جو چاہو سمجھو لیکن —— خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے —— اگر میں نے کسی سے محبت کی ہے تو وہ تم ہو ——"

"تو پھر شفیع الدین سے کیوں تعلقات بڑھائے ——؟"

"تاکہ اس سے شادی کر لوں اور تم سے اسی طرح ملتی رہوں ——"

"وہ پھر اس پر معترض نہ ہوگا ——"

"شفیع الدین انگلستان جانے سے قبل شادی کرے گا۔ اور تین ماہ بعد چلا جائے گا —— شائد تین سال کے لئے —— میں پھر آزاد ہو جاؤں گی —— یہ سب کچھ میں نے محض تمہارے لئے کیا ہے ——"

"واقعی ؟" میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا بہتر جانتا ہے ——"

میں نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ پھر سسکیاں لینے لگیں۔ لیکن اب یہ سسکیاں محبت اور ملاپ کی تھیں۔

رات کا سماں موسلا دھار بارش بجلی کی کڑک اور چمک اور میرے پہلو میں نفیس —— ہم دونوں دنیا کو بھلا بیٹھے ——

صبح بلقیس نے مجھ سے بتایا کہ وہ بھی شب کو میرے کمرے میں آئی تھی لیکن نفیس کو لیٹا ہوا دیکھ کر چلی گئی۔

جلیس کو دیکھ کر مجھے رات کے واقعہ پر افسوس ہونے لگا کہ میں نے بلا وجہ وقتی جذبات سے متاثر ہو کر پھر نفیس سے تعلقات استوار کر لئے۔ میں تمام دن اسی سوچ میں رہا۔ جلیس نے میری خاموشی سے اندازہ

لگا یا کہ میں کسی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوں اور وہ کش مکش نفیس یا بلقیس ہی کے متعلق ہو سکتی ہے۔

چنانچہ شام کو جب میں تاریخ کی ورق گردانی میں مصروف تھا طیس نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔

"سہراب خاں ——— دیکھو برا ماننے کی بات نہیں ——— میں جو کچھ کہہ رہی ہوں تمہاری اچھائی کے لئے کہہ رہی ہوں ——— تم اگر امتحان کی تیاری کرنا چاہتے ہو تو دنیا کی لغویتوں سے کنارہ کش ہو جاؤ ——— ورنہ یہ محنت رائیگاں جائے گی ———"

میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مجھے خاموش کراتے ہوئے کہا۔

"——— جاؤ ——— ڈیڈی تمہارے منتظر ہیں انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو فوراً بھیجدوں ———"

میں فوراً صاحب کے پاس پہونچا ——— ان کو معمولی بخار تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔

"سہراب خاں! میں آج کوڑیالا گھاٹ جانے والا تھا ——— سب کو پیسہ دینا تھا لیکن بخار آگیا اور وہاں پہونچنا ضروری ہے"!

یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کو بخار ہے اور ایسی حالت میں آپ کا جانا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں ———"

"ہاں ——— میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ———

اور اسی لئے تمہیں بلایا ہے کہ تم چلے جاؤ ـــــ ساڑھے چار ہزار کا حساب بیباق کرنا ہے ـــــ تم اپنے سامنے سب حساب کرنا اور خود ہی ٹھیکہ داروں کو روپیہ دے کر رسیدیں لے لینا ـــــ"

جلیس بھی آکر اپنے باپ کے پاس آکر بیٹھ گئیں.

میں نے کہا "ـــــ کیا مینجر صاحب وہاں نہیں ہوں گے؟"

"اب ان کا ہونا نہ ہونا سب برابر ہے ـــــ"

میں خاموش ہو گیا تو جلیس نے پوچھا۔

ـــــ کیا بات ہے ـــــ کیا مینجر صاحب سے ڈرتے ہو ـــــ؟"

جی نہیں ـــــ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ـــــ لیکن یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موجودگی میں میں لوگوں کو روپیہ دوں اور رسیدیں لوں اس میں ان کی توہین ہو گی ـــــ"

لیکن تم ایسا میرے حکم سے کر رہے ہو ـــــ ٹھیکہ دار صاحب نے پلنگ پر کروٹ بدل کر کہا.

آپ کے حکم پر میں اپنی جان قربان کر سکتا ہوں ـــــ آپ نے مجھے خاک سے پاک کیا ہے لیکن مجھ کو یہاں تک لانے والے مینجر صاحب ہی ہیں ـــــ"

ٹھیکہ دار صاحب مسکرا دیئے ان کی آنکھیں کسی نامعلوم جذبہ کے ماتحت چمکنے لگیں اور وہ بولے۔

"——— سہراب خاں ——— تم بہت شریف ہو ——— تمھارے ہی جیسے لوگوں کے لئے گوڈری میں لال کی مثال دی جاتی ہے ———"

میں نے کہا "——— لیکن میں شرمندہ ہوں کہ ابھی تک حق نمک نہیں ادا کر سکا ———"

جلیس ان باتوں میں کافی دلچسپی لے رہی تھیں انھوں نے حجت تمام کرتے ہوئے کہا۔

بہرحال وقت کم ہے تم اسی وقت جاؤ ——— مینجر صاحب کا خیال نکرو ابا جان خود ان کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے لیکن وہ اپنے اس کا اہل نہ ثابت کر سکے ———"

میں نے کہا "آپ کا حکم سر آنکھوں پر ——— میں جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا۔ اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر کوئی دوسری صورت نکل آتی تو زیادہ مناسب تھا"

ٹھیکہ دار صاحب کچھ دیر تک خاموش لیٹے ہوئے سوچتے رہے پھر جلیس سے کہا۔

"تم مینجر صاحب کو اسی وقت تار کے ذریعہ مطلع کر دو کہ وہ ٹنک پور چلے جائیں"

ادھر کچھ عرصہ سے جلیس اپنے والد کے کاروباریں ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں اور سکریٹری کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔

بلقیس اور نفیس کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جلیس نے فوراً رحیم خاں کو بلا کر تار روانہ کر دیا اور مجھ سے کہا۔

"جاؤ وقت کم ہے اپنا سامان درست کرو ——— دو چار جوڑے کپڑے رکھ لو ———"

جب میں کمرے سے جانے لگا تو دونوں مسکرا رہے تھے۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی جلیس نے کہا۔

"——— خاں صاحب اپنی کتابیں بھی لیتے جایئے گا تاکہ وقت پر کورس پورا ہو جائے ———"

"بہتر ہے ———"

میں نے زنان خانہ سے آکر سامان سفر درست کیا اور الطاف کے ذریعہ کوٹھی پر بھجوا کر دوسری منزل پر پہونچا۔ زینہ کے قریب نفیس مل گئیں انھوں نے پوچھا۔

"——— کیا تم کہیں جا رہے ہو ———؟"

"ہاں ——— صاحب کو ڑیالا گھاٹ بھیج رہے ہیں ———"

وہ قدرے مغموم ہو گئیں اور پوچھا۔

"کب تک واپس آؤ گے ———؟"

"جب صاحب کا تار جائے گا ———"

"ڈیڈی نہیں ——— بلکہ تم کو جلیس یہاں سے ہٹا رہی ہے

——— "وہ بہت گھنی لڑکی ہے میری حقیقی بہن ہے تو کیا ہوا لیکن ہم دونوں کو چھوٹی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ہے"!

"وہ تو بے چاری بہت سیدھی ہیں ———"

بلقیس بھی اپنے کمرے سے نکل آئیں اور نفیس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بولیں۔

"بے چاری بڑی تلانی بنتی ہیں ———"

تم لوگوں نے ان کے متعلق غلط رائے قائم کی ہے ———"

"وہ دونوں میرے جانے سے آزردہ تھیں۔ بلقیس کم اور نفیس زیادہ اس لئے کہ ان سے اب صلح ہو چکی تھی اور ان کے کہنے کے مطابق بھر برسات میں میرے بغیر ان کو ایک پل چین نہیں آ سکتا تھا"!

دونوں کو سمجھا بجھا کر میں کوٹھی پر آگیا۔ جلیس نے ضروری ہدایات لکھ کر مجھ کو دیتے ہوئے کہا۔

"وہاں کا کام ختم کر کے ایک روز کے لئے عبدالستار کو لے کر ٹنک پوری جانا ———"

صاحب نے کہا" ——— وہاں ان کو کیوں بھیج رہی ہو ———؟"

تاکہ وہاں کے حالات بھی معلوم ہو جائیں ——— دیکھنا کہ گودام میں کتنا چاول اور لکڑی ہے ———"

"بہتر ہے ———"

انھوں نے میاں کے سرہانے سے کنجیوں کا گچھا نکال کر تجوری کھولی اور نوٹوں کا گڈا نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"بہت احتیاط کے ساتھ جانا ——— انٹریا سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا ——— کیونکہ مجمع میں جیب کٹ جاتی ہے گذشتہ ماہ عبداللہ کی جیب سے دو سو روپے نکل چکے ہیں۔"

صاحب نے لکھنے پڑھنے کا کام میرے سپرد کرنے کے بعد مجھے خاکی زین کی دو پتلونیں بنوا دی تھیں۔ اس وقت میں انھیں میں سے ایک پتلون پہنے ہوئے تھا۔

میں نے نوٹوں کا گڈا پتلون کی جیب میں رکھنے کا ارادہ کیا تو جلیس نے کہا۔

اپنی اٹیچی میں رکھو ——— صرف بیس روپے سفر خرچ کے لئے نکال لو ———"

میں میاں صاحب سے رخصت ہو کر برآمدے میں آیا تو جلیس بھی میرے پیچھے پیچھے آگئیں اور مجھے آواز دے کر ٹھہراتے ہوئے کہا۔

بہت ہوشیاری کے ساتھ جانا اور جب تک یہاں سے خط نہ جائے وہیں رہنا۔

"بہت اچھا ———

"——— اور ہاں پہونچتے ہی تار روانہ کر دینا"

اس وقت وہ فیروزی رنگ کا غرارہ اور قمیض پہنے ہوئے تھیں اور

سر پر ہلکے قرمزی رنگ کا جارجٹ کا دوپٹہ تھا۔ اب وہ مکمل خاتون ہوتی جارہی تھیں۔ رنگ پہلے سے زیادہ نکھر آیا تھا چہرہ جوش شباب سے سرخ رہتا تھا۔ اور چال بھی پہلے سے زیادہ مستانی ہوگئی تھی۔

بلقیس، نفیس، زیب النساء۔ ایڈنا اور شیلا وغیرہ نے مجھے جس راستہ پر ڈال دیا تھا اور میرے اخلاق کا جو معیار قائم کرا دیا تھا۔ اس کے پیش نظر میں جلیس کو اس ہوش ربا انداز میں دیکھ کر اپنی آغوش میں لے سکتا تھا لیکن اس نے ابتدا ہی سے اپنا رویہ کچھ ایسا رکھا تھا کہ میں اس کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس وقت میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ جاؤں اور گڑگڑا کر کہہ دوں۔

"جلیس ـــــ مجھے تم سے محبت ہے ـــــ

مجھے اپنے قدموں سے نہ جدا کرو ـــــ اسی طرح تمام عمر پڑا رہنے دو ـــــ"

لیکن فوراً ہی مجھ کو اپنی حقیقت کا احساس ہوگیا اور میں ان کو خدا حافظ کہہ کر روانہ ہوگیا۔

مجھ پر اس درجہ رعب حسن طاری ہو چکا تھا کہ پھر میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے کی جرأت تک نہ کی۔

کوڑیالا گھاٹ کے اسٹیشن پر عبدالستار میرے خیر مقدم کے لئے موجود تھا جلیس نے اس کو تار کے ذریعہ میری آمد کی اطلاع کر دی تھی دو ماہ قبل وہ مجھ کو یہیں دیکھ چکا تھا۔ وہ بھی ٹھیکہ دار صاحب کے ایماندار ملازموں میں

سے ایک تھا۔

میں نے وہاں پہونچ کر حساب کی جانچ پرتال کی اور سب کو روپیہ تقسیم کر دیا۔ اس کام میں مجھے پانچ روز لگے چھٹے روز میں عبدالستار سے کہا۔

"میں ٹنک پور جانا چاہتا ہوں ——"

"وہاں تو مینجر صاحب موجود ہیں ——"

"ہاں مجھے معلوم ہے ——"

"کیا کوئی ضروری کام ہے ——"

"نہیں یوں ہی ——"

"کیا صاحب نے کہا تھا ——؟"

"ہاں ——"

وہ مسکرا دیا —— میں نے بھی ہنس کر پوچھا "—— کیوں کیا بات ہے ——؟"

"آپ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے ——"

"ارے صاحب ——" عبدالستار نے کہنا شروع کیا۔

"صاحب نے مینجر صاحب کی رسی تو اتنی دراز کر رکھی ہے کہ خدا کی پناہ —— انھوں نے تو یہاں اودھم مچا رکھا ہے ——"

"اودھم ——؟" میں نے متعجبانہ لہجہ میں سوال کیا۔

"—— اور کیا —— اس وقت اپنے کام میں دو ڈھائی سو پہاڑی عورتیں ہیں سب کم عمر اور اچھے ناک نقشہ کی ——

آپ تو دیکھ چکے ہیں ــــــ"

"ہاں ــــــ"

"شائد ہی کوئی غریب ان کی دست برد سے محفوظ رہی ہو"!

اسی روز شام کو ہم ٹنک پور کے لئے روانہ ہو گئے. راستہ میں عبدالستار نے بتایا کہ مینجر صاحب ٹنک پور جانے کے لئے ہر وقت بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں. کیونکہ وہاں ایسی عورتیں بکثرت مل جاتی ہیں اور چاول کی شراب ڈیڑھ روپیہ بوتل ہے.

ہم دوسرے روز دوپہر کے وقت ٹنک پور پہونچے کیونکہ راستہ میں ایک جگہ کاروباری ضرورت سے ٹھہر گئے تھے.

جس وقت میں مینجر صاحب کے کمرے میں داخل ہوا وہ پلنگ کے پاس کھڑے ہوئے کمر پر پتلون چڑھا رہے تھے. اور ایک کم سن پہاڑی لڑکی سہمی ہوئی ایک گوشہ میں کھڑی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی.

مینجر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی پرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیا اور کہنے لگے.

"سہراب خاں! یار اپنی ترقی کی مٹھائی بھی نہیں کھلائی ــــــ"؟

"اسی لئے تو جناب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ــــــ" میں نے ہنس کر جواب دیا.

عبدالستار باہر بیٹھا ہوا تھا. وہ پلنگ پر بیٹھ گئے اور مجھے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے.

تمھارے تیور بتا رہے تھے کہ تم ترقی کرو گے ——— میں نے پہلے ہی روز کہہ دیا تھا ———"

ان کے منہ سے شراب کے بھبکے نکل رہے تھے۔

میں نے حیرت دریافت کی تو بولے" ——— میں نے سنا ہے کہ آج کل تو تمھاری پانچوں گھی میں ہیں ——— یعنی ——— یعنی ———"

وہ سر ہلا کر مسکرائے میں ان کا مطلب سمجھ گیا لیکن میں اول تو ان سے بے تکلف نہیں ہوا تھا۔ دوسرے میں ان کا لحاظ کرتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ میرے محسن ہیں۔ اس لیے میں نے ہنس کر گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی ———

انھوں نے پہاڑی لڑکی کو کھینچ کر میرے اور اپنے درمیان بٹھا لیا۔ اور اس کے رخساروں کو نوچتے ہوئے بولے۔

"——— کیسی ہے ——— پسند آئی ——— ؟

یا دوسری بلاؤں ——— یہاں تو ان کافر اداؤں کی کان ہے"؟

اس لڑکی نے ان سے کچھ کہا۔ اس کے جواب میں وہ ہشت کہہ کر پھر میری طرف متوجہ ہو گئے اور پوچھا۔

"کیسے ساتھ لائے ہو ———؟"

"عبدالستار کو ———"

"اوہ ——— وہ تو اپنا لڑکا ہے ——— بلاؤ اندر ———

یہاں آیئے ـــــ ستار"

عبدالستار اندر آگیا۔

"کیوں جی ـــــ تم اندر کیوں نہیں آئے ـــــ کیا تم سے میرا کوئی راز چھپا ہوا ہے ـــــ جیسے سہراب خاں ویسے تم ـــــ تم دونوں میرے اپنے آدمی ہو ـــــ"

مجھے اس سے کب انکار ہے ـــــ"

"بوتل اٹھاؤ ـــــ"

ستار نے میز کے نیچے سے بوتل اٹھائی۔ اور گلاس میں شراب ڈالکر منیجر صاحب کو پیش کیا۔

نہیں پہلے سہراب خاں کو دو ـــــ میرا بچہ ہے ـــــ میرا لڑکا ـــــ"

"آپ نے کبھی بھی مجھے پیتے دیکھا ہے" میں نے گلاس ہٹاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے ابھی تک نہیں شروع کی ـــــ بڑے بدھو ہو ـــــ"

"پھر ستار سے کہا" اچھا بیٹے تو چڑھا جا ـــــ شاباش ـــــ"

ستار نے گلاس منہ سے لگایا اور خالی کرکے میز پر رکھدیا ـــــ

سہراب مجھے دے ـــــ اور سہراب تم ـــــ خدا کی قسم تم بڑے اچھے لڑکے ہو"

انھوں نے بہکتے ہوئے کہا ـــــ بڑے اچھے لڑکے ہو جو اس

ماحول میں رہتے ہوئے بھی بچے رہے ——— یہ بُری چیز ہے ——
بہت بری چیز ہے ——— لیکن میرے کام کے لئے بہت اچھی ہے۔
——— جنت میں پہونچا دیتی ہے ——— جنت میں اور یہ
دیکھو ——— حور ہے ——— انھوں نے پہاڑی لڑکی کا
بوسہ لے کر کہا۔

"——— ابے ستار ——— اسے بھی تو دے"!

ستار نے دو گلاسوں میں شراب ڈھالی۔ ایک مینجر صاحب کو دیا
دوسرا پہاڑی لڑکی کو اور اس کے بعد بوتل اپنے منھ سے لگا کر دو چار
گھونٹ میں غٹ غٹ کر کے باقی شراب پی گیا۔

مینجر صاحب نے گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور پہاڑی لڑکی
کو زبردستی میری گود میں بٹھا کر جھومتے ہوئے اٹھے اور باہر چلے
گئے ———

مجھے عبدالستار پر تعجب ہو رہا تھا وہ بھی ان کے پیچھے کمرے سے نکل
گیا۔ پہاڑی لڑکی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے دوبارہ
پلنگ پر بٹھا دیا۔ اس نے اٹھ کر میز پر سے سگرٹ کی ڈبیا اٹھائی اور
ایک سگرٹ نکال کر سلگانے کے بعد دوسری سگرٹ میری
طرف بڑھائی۔

میں نے کہا "میں سگرٹ نہیں پیتا ہوں"!

اس نے منھ سے دھواں نکالتے ہوئے قہقہہ لگایا اور میرے

قریب آکر دونوں ہاتھوں سے میرا چہرہ پکڑتے ہوئے بولی۔

"تم کیسا آدمی ہے ——— دارو نہیں ——— سگرٹ نہیں ——— ہم نہیں ———" وہ پھر پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

وہ پستہ قد لیکن کسٹھے ہوئے جسم کی خوبصورت لڑکی تھی، گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ۔ اس کی عمر مشکل سے تیرہ یا چودہ برس کی ہو گی۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں اگر وہ اس طرح میرے رحم و کرم پر ہوتی تو شائد اب تک میں اس کو بے دم اور نڈھال کر چکا ہوتا ——— لیکن والدہ کے انتقال اور جلیس کے رویہ اور ناصحانہ ملامتوں نے مجھے گرنے سے سنبھال لیا تھا۔ اس لئے میں اس ماحول سے اکتا کر ٹہلنے لگا۔

مجھے ٹہلتا ہوا دیکھ کر وہ مسکرائی اور بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس مرتبہ اس کو ہٹانے کے بجائے میں نے بھی اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور اس کو نوجوانوں کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اسیوقت مجھے منیجر صاحب کی آواز سنائی دی۔ وہ زور زور سے عبدالستار سے باتیں کرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

میں نے پہاڑی لڑکی کو پلنگ پر بٹھا دیا اور خود باہر آ گیا۔

عبدالستار نے مجھے دیکھتے ہی کہا "کیوں ——— کیا وہ لڑکی پسند نہیں تھی ———"

"نہیں ———"

منیجر صاحب نے جھوم کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا: "میرے سہراب کے لئے ایسی ہی لڑکی ہونا چاہئے جیسا وہ خود ہے ——— ستار دیکھ ———"

انھوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا" ——— قسم خدا کی شہزادہ معلوم ہوتا ہے ——— شہزادہ ——— کتنا خوبصورت نوجوان ہے ——— لڑکیوں کی رال ٹپک جاتی ہے ———"

میں اس وقت خاکی پتلون اور خاکی قمیص پہنے ہوئے تھا۔

منیجر صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا" اگر شولڈرس پر تین اسٹار لگا لے تو کیپٹن معلوم ہونے لگے ———"

"تو پھر ان کے لئے کیسے لایا جائے ———"

"اس کٹھمنڈو والی کو لاؤ ———"

"کیا وہ یہیں ہے ——— ؟"

ستار نے پوچھا۔

ہاں ——— تم جاؤ ——— اور فوراً

لے کر آؤ ——"

وہ چلا گیا —— مینجر صاحب نے ایک آدمی کو بلا کر کہا۔

ان کے لیے غسل کا انتظام کرو —— اور عنایت سے کہہ دو کہ کھانا لائے ——"

میں نے غسل سے فارغ ہو کر کھانا کھایا اور دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

شام کو عبدالستار مجھے بازار لے گیا۔ رات کو مینجر صاحب نے اپنے ایک نیپالی دوست کے مکان پر دو تین پہاڑی لڑکیاں بلائیں اور مجھ کو بھی اپنی تفریح میں شریک کیا۔

لڑکیوں کے عریاں رقص سے مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ وہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکتیں کر رہی تھیں جو بلا مبالغہ نسوانیت اور انسانیت کی کھلی ہوئی توہین کہی جا سکتی تھیں۔

میں ۱۰ بجے کے قریب درد سر کا بہانہ کر کے چلا آیا۔ عبدالستار بھی میرے ساتھ آ گیا۔ وہ اس وقت بھی نشہ میں تھا اور شائد اسی وجہ سے اس نے مجھے بتا دیا کہ مینجر صاحب بہت جلد ٹھیکہ دار صاحب کی ملازمت سے مستعفی ہو جائیں گے کیونکہ ایک بڑے فوجی افسر نے ان کو کمبلوں کا ٹھیکہ دیدیا ہے۔ اس کام میں وہ نیپالی دوست بھی شریک ہے جس کے مکان پر محفل منعقد ہوئی ہے۔

میں نے کہا" تم بھی انھیں کے ساتھ رہو گے"!

"نہیں ——"

"ٹھیکہ دار صاحب کے مجھ پر بہت احسانات ہیں ——
میں خود سے ان کی ملازمت نہ چھوڑوں گا ——"

دوسرے روز میں نے چاول کا گودام دیکھا۔ اس کے نگران میرٹھ کے ایک مولوی صاحب تھے۔

ٹھیکہ دار صاحب کو فوج کی طرف سے متعدد ٹھیکے ملے ہوئے تھے اس لئے جو چیز جس جگہ سے آسانی کے ساتھ دستیاب ہوتی تھی، انھوں نے اسی جگہ کا گودام قائم کر دیا تھا اور وہیں سے وہ چیز فوجی گوداموں کے کارندوں کے حوالے کر دی جاتی تھی۔

میں اسی روز ایک فوجی ٹرک پر بیٹھ کر کوڑیالا گھاٹ آگیا۔ یہاں سے لکھنؤ۔ بریلی۔ شاہ جہاں پور اور بنارس کے فوجی گوداموں کو جلانے کی لکڑی بھیجی جا رہی تھی۔

تیسرے روز ۱۰ بجے کے قریب مجھے جلیس کا تار ملا۔ اس میں لکھا تھا۔

"فوراً روانہ ہو جاؤ والد کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔
—— جلیس"۔

۸

جب کوئی پر پہونچا تو ہر شخص کو اِدھر اُدھر بھاگتا ہوا پایا رحیم خاں پریشانی کے عالم میں برآمدے میں کھڑے ہوئے تھے. مجھے دیکھتے ہی بولے.

"بڑا غضب ہوگیا ——"

"خیر تو ہے ——؟"

"میاں پر فالج گرا ہے ——"

"فالج ——!!"

میں نے گھبرا کر کہا اور خود کو بھی مفلوج محسوس کرنے لگا.

"اندر جاؤ —— رحیم خاں نے مجھے آگے بڑھاتے ہوئے کہا.

"چھوٹی سرکار مجھ سے کئی مرتبہ تم کو دریافت کر چکی ہیں"!

میں اندر پہونچا ٹھیکہ دار صاحب پلنگ پر پڑے ہوئے تھے اور ایک معمر یوروپین نرس ان کے داہنے ہاتھ پر مالش کر رہی تھی جیبیں سرہانے بیٹھی ہوئی سر دبا رہی تھی. مجھے دیکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی.

میں فوراً ان کے قریب پہونچ گیا اور ہمدردانہ لہجہ میں کہا.

"—— چھوٹی سرکار یہ آپ کیا کر رہی ہیں —— ان کی صحتیابی کی خدا سے دعا مانگئے ——"

نرس نے ہندستانی میں کہا۔

"—— گھبرانے کا ضرورت نہیں —— ٹھیکہ دار صاحب بہت جلد اچھا ہو جائیں گے ——"

ٹھیکہ دار صاحب نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اپنے پلنگ کی پٹی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ میں نے جلیس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ یہاں بیٹھ کر روئیں گی تو وہ اور زیادہ پریشان ہوں گے"

کچھ دیر بعد ٹھیکہ دار صاحب نے پھر آنکھیں کھولیں۔ نرس ان کے پاس سے ہٹ چکی تھی لیکن جلیس سر دبا رہی تھیں۔ اور ان کی آنکھیں اب تک اشک آلود تھیں۔

ٹھیکہ دار صاحب نے آہستہ سے جلیس کا ہاتھ پکڑ کر ہٹایا اور مجھے ڈوبی ہوئی آواز میں مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"سہراب خاں! میرے کاروبار پر کوئی اثر نہ پڑے۔ تم ہر کام سے واقف ہو چکے ہو —— لہذا —— جب تک میں چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو جاؤں اس کو سنبھالے رہو۔ اور جلیس کو سمجھاؤ۔ میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ڈاکٹر جینانی اور کرنل رابرٹسن، کی

متفقہ رائے ہے کہ میں خطرے سے باہر ہوں۔"

انشاء اللہ تعالےٰ آپ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے ——

—— کام کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔"

جلیس نے جھک کر کہا۔" ابا جان آپ کام کی فکر نہ کریں کام ہوتا رہے گا۔"

"ہاں ——" کہہ کر نقاہت کے باعث انھوں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

جلیس کھڑی ہو گئیں اور دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے انھوں نے اشارے سے مجھے بھی بلایا۔

میں ان کے پیچھے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جلیس ایک کرسی پر بیٹھ گئیں اور مجھے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمھارا کیا خیال ہے —— حالت خطرناک تو نہیں ہے ——"

"قطعی نہیں —— اس کے علاوہ ڈاکٹر بھی اطمینان دلا چکے ہیں ——"

وہ لوگ تو کہہ چکے ہیں لیکن مجھ کو ان لوگوں کی بات کا اعتبار نہیں —— بہرحال وہاں سب کام ٹھیک ہو گیا ——؟"

"جی ہاں ——"

مینجر صاحب کی کیا حالت ہے ——"؟

"اب یہ نہ پوچھئے ——"

ان کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ طنزیہ لہجہ میں کسی کو مخاطب کئے بغیر بولیں۔

"—— یہ منحوس اور مسور کی دال —— چار عورتوں کو قبرستان پہونچا چکے ہیں اب آپا جان کے لئے کوشش کر رہے تھے —— —— ابا جان ان کو بہت جلد علیحدہ کر دیں گے —— تم سب کام سمجھ لو"

"خیر کام تو میں سمجھ چکا ہوں لیکن مینجر صاحب کے سلسلہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ آدمی شاندار ہیں —— اچھی شخصیت ہے اور ہر شخص کو مرعوب کر لیتے ہیں —— بہرحال ان کو کسی فوجی افسر نے کمبلوں کی ٹھیکہ دلا دیا ہے ——"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ اگر خود سے چلے جائیں تو اس سے بڑھ اور کیا ہو سکتا ہے ——"

جلیس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے سے بھی تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ میں نے کہا۔

"آپ نے شاید آرام نہیں کیا ہے ——؟"

"آرام کیسا پرسوں سے ایک پل کو بھی بیٹھنا نہیں نصیب ہوا ہے ——"

"پرسوں حملہ ہوا تھا ——"

"ہاں پرسوں شام کو قدرے طبیعت بشاش تھی میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی ——— یہی کوئی ۸ کا وقت تھا ———

وہ تھوکنے اٹھے اور گر پڑے ——— میں گھبرا گئی، رحیم خاں باہر برآمدے میں تھے ان کو بلا لیا ——— تو چل میں چل ——— غرضکہ سب جمع ہو گئے ——— ڈاکٹر آ گئے اور انھوں نے فالج بتایا ———"

"آپ نے ڈاکٹر جیلانی سے کچھ دریافت کیا تھا ———؟"

"ہاں انھوں نے بھی اطمینان دلایا ہے ———"

میرے مجبور کرنے پر وہ گھنٹہ بعد آرام کرنے چلی گئیں اور میں ٹھیکہ دار صاحب کے پاس رہا۔

۹ بجے کے قریب نفیس آئیں اور کچھ دیر بعد چلی گئیں۔ ۱۰ بجے الطاف نے مجھے بلقیس کا پرچہ دیا۔ انھوں نے مجھے بلایا تھا۔ میں نے الطاف کے سامنے ہی پرچہ پھاڑ کر پھینک دیا۔

ٹھیکہ دار صاحب کی حالت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی تھی جلیس اور خود ٹھیکہ دار صاحب کی ہدایات کے مطابق میں دوسرے تیسرے روز برابر کا سفر کر رہا تھا۔

کسی روز شاہ جہاں پور پہونچا تو کسی دن بنارس۔ غرضیکہ کاروبار کی دیکھ بھال کا سلسلہ میں برابر دوڑ دھوپ کرتا رہا۔

جلیس نے اپنے باپ کی تیمارداری میں شب و روز ایک کر دیا تھا۔

نہ تو اس کو اپنے کھانے کی فکر تھی اور نہ آرام کا خیال ان دنوں پڑھائی تک چھوڑ رکھی تھی اور اسی تیمار داری اور دیکھ بھال کا نتیجہ تھا کہ پندرہ بیس روز میں ٹھیکہ دار صاحب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئے۔

ایک روز میں سیتا پور جانے والا تھا کہ بنارس کے ٹھیکہ دار صاحب کے ایک کارندے کا تار آیا۔ اس نے لکھا تھا کہ لکڑی وقت پر نہ پہونچنے کی وجہ سے وہاں کے سپلائی کے بڑے فوجی افسر نے ٹھیکہ ختم کر دیا ہے اور ضمانت ضبط کرنے کو کہہ رہا ہے۔

اُس نے یہ بھی دھمکی دی تھی کہ ٹھیکہ دار صاحب کے سب ٹھیکے ختم کرا دے گا۔

جلیس نے مجھے ایک کمرے میں بلا کر واقعات سے مطلع کیا اور کہا۔

"ابا جان کو فی الحال اس واقعہ کی اطلاع نہ کرنا چاہئے ورنہ ڈر ہے کہ وہ دوبارہ بیمار نہ ہو جائیں ——— تم اسی وقت بنارس جا کر اس افسر سے ملو ———"

اگر اس موقعہ پر منیجر صاحب کو وہاں بھیجا جائے تو زیادہ بہتر ہے اول تو فوجی افسروں سے بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں دوسرے ان کی شخصیت سے سب مرعوب ہو جاتے ہیں۔

"نہیں اب میں ان کو نہ بھیجوں گی تم جاؤ جہانتک شخصیت کا تعلق ہے وہ تمہارے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ رہا یہ

چیت کا خیال تو اسی طرح ودچارہ بار افسروں سے ملنے کے بعد تم بھی تیز ہو جاؤ گے ——— تم خدا کا نام لے کر جاؤ ——— مجھے اس کی ذات سے امید ہے کہ ضرور کام بن جائے گا ——— وہ جو نیا سوٹ سلوایا ہے وہ پہن لو ———"

افسروں سے ملنے کے لئے ٹھیکہ دار صاحب نے حال ہی میں میرے لئے متعدد سوٹ سلوا دیئے تھے۔

میں نے بنارس پہونچ کر اس افسر سے ملاقات کی۔ ٹھیکہ دار صاحب کی علالت کا حال بیان کیا اور صرف لکڑی کے ٹھیکہ ہی کی تجدید نہیں کرائی بلکہ فوجی راشن کے لئے بھیڑیں فراہم کرنے کا بھی ٹھیکہ لے لیا۔ اور نواحی علاقوں میں گھوم پھر کر اس کا انتظام کر کے بارہ روز بعد لکھنؤ پہونچا۔

میری اس کامیابی پر جیلیس اور ٹھیکہ دار صاحب بہت خوش ہوئے ٹھیکہ دار صاحب نے مجھے گلے سے لگایا کیونکہ اس نئے ٹھیکہ میں کم و بیش ۷ ہزار روپیہ ماہوار کی بچت تھی۔

میری عدم موجودگی زنان خانہ میں جو کچھ بھی ہوتا تھا الطاف مجھے سب کچھ بتا دیتا تھا۔

بنارس سے واپسی پر اس نے بتایا کہ بلقیس نے ان دنوں خوب ہاتھ پیر نکالے ہیں اور یٰسین نامی ایک نوجوان طالب علم سے دوستی پیدا کر لی ہے ——— وہ روزانہ دوپہر کو آتا ہے۔ اور ایک روز تمام رات

بلقیس کے کمرے میں رہا ہے. نفیس نے بھی ارشد کو دوبارہ بلانا شروع کر دیا ہے.

واپسی کے تین روز بعد دوپہر کے وقت مجھے جلیس نے اپنے کمرے میں بلا لیا. میں کوٹھی پر تھا. ٹھیکہ دار صاحب نے کہا.

"جاؤ ——— وہ کسی ضرورت سے بلا رہی ہیں ———"

میں جب زنان خانہ کی دوسری منزل پر پہونچا تو قطعی غیر ارادی طور پر بلقیس کے کمرے کے سامنے ٹھہر گیا. دروازہ بند تھا. لیکن اندر سے آہٹیں نہیں لگی تھی.

میں بغیر آواز دیئے جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا ایک نوجوان بلقیس کے پلنگ سے اُٹھ کر غسل خانہ کی طرف بھاگا اور پردے کی آڑ میں ہو گیا اور بلقیس نے ایک چادر کھینچ کر اپنا عریاں جسم چھپا لیا. کمرے میں شراب کی بو پھیلی ہوئی تھی.

میں اُلٹے پیروں واپس ہوا لیکن بلقیس نے مجھے آواز دے کر ٹھہرایا اور چادر لپیٹے ہوئے اُٹھ کر میرے پاس آگئیں.

ان کی چال سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بھی نشہ میں ہیں. انھوں نے میرے قریب پہونچتے ہی کہا.

"تم میرے کمرے میں کیوں آئے ———؟"

"کیا اس سے قبل کبھی نہیں آیا ہوں ———؟"

"لیکن اس وقت کیوں آئے ———؟"

"جائیے پہلے لباس پہنئے اور ان حضرت کو فوراً یہاں سے رخصت کر دیجئے.

ورنہ ایسے پے بھاؤ کے ٹیں گے کہ سارا عشق رخصت ہو جائے گا"۔

"تمیز سے گفتگو کرو ——— بلقیس نے چیخ کر کہا ———

اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھو ——— تم ابا جان اور جلیس ہی کے منہ چڑھے ہو گے ———"

نشے میں وہ بہکنے لگیں ان کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ صرف ایک چادر لپیٹے بالکل ننگی کھڑی ہوئی ہیں اور اس حالت میں کہ ایک مرد پردے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔

بلقیس کے چیخنے پر نفیس جلیس بھی کمرے میں آ گئیں جلیس کو دیکھتے ہی بلقیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور بولیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ آجکل اس گھر میں کیا کھچڑی پکائی جا رہی ہے"۔

جلیس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ دونوں بہنوں کے مقابلہ میں زیادہ تندرست اور قد آور ہو چکی تھیں مجھے ڈر تھا کہ کہیں بلقیس سے گستاخی نہ کر بیٹھیں۔

نفیس بھی بلقیس کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ نوجوان کی عریاں پشت اور پیر پردے سے نظر آ رہے تھے۔ اور دونوں بہنیں شراب کی بو محسوس کرتے ہی واقعات کی تہ تک پہونچ چکی تھیں۔ میں دونوں بالکنی میں لے آیا۔

جلیس نے کہا "میں ابھی ابا جان کو بلا کر لاتی ہوں ——— یہ حرکتیں میرے لئے ناقابل برداشت ہیں"۔

میں نے اور نفیس نے ان کو سمجھا کر روکا۔ اس وقفہ میں بلقیس کپڑے پہن کر باہر نکلیں ان کے ساتھ ایک تندرست اور خوبرو نوجوان بھی تھا۔ ہم لوگوں کے قریب پہونچتے ہی انھوں نے کہا۔

"ہاں جناب سہراب خاں صاحب! فرمایئے آپ کیا کہہ رہے تھے ——"

میں اس وقت آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہوں

—— آپ جاکر آرام کیجئے"

"یعنی میں نشے میں ہوں ——"

"مجھ سے کچھ نہ کہلوایئے ——"

"دیکھو سہراب" بلقیس نے تیور بدل کر کہا۔ "تم منہ چڑھے ہو گئے جلیس کے ——"

جلیس کا چہرہ پھر سُرخ ہو گیا۔ اور وہ تقریباً چیخ اٹھیں۔

"شٹ اپ ——"

بلقیس کو شاید اس کا احساس تھا کہ وہ جلیس سے کمزور ہیں اس لئے انھوں نے فوراً گفتگو کا رُخ بدلا اور مجھ سے کہا۔

"—— لو توڑو ان کا سر —— تمہارے سامنے کھڑے ہیں ——"

میں سمجھ گیا کہ یہی یٰسین ہو سکتا ہے۔ وہ بھی میری طرح قدآور اور مضبوط ہاتھ پیروں کا نوجوان تھا۔ لیکن ادھر کچھ دنوں سے میں نے

دوبارہ ورزش شروع کردی تھی اور کھلائی پلائی بھی اچھی ہو رہی تھی۔
اس لیے اب پہلے سے کہیں زیادہ توانا اور تندرست ہو رہا تھا۔
بلقیس کے اس چیلنج پر میں نے اس نوجوان سے کہا۔
"آپ یہاں سے تشریف لے جائیے ——"
"یہ کوٹھی میرے باپ کی ہے ——" بلقیس نے کہا۔
"تم نکل جاؤ ——"
"وہ نہیں جا سکتے —— جلیس نے غصہ میں کہا۔
بلقیس جلیس سے مرعوب ہو چکی تھیں انھوں نے گھبرا کر اپنی چھوٹی بہن کی طرف دیکھا۔
جلیس نے مجھ سے کہا۔
"نکال دو —— اس بدمعاش کو ——"
"جلیس ——" بلقیس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن جلیس دفورِ جوش میں تھر تھرا رہی تھیں۔
میں نے لیسین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔" —— میں شرافت کے ساتھ کہہ رہا ہوں —— آپ جائیے ——"
وہ جانے کے بجائے دانت پیس کر میری طرف لپکا۔ اور مجھے دیوار سے لگا دیا۔
میں اس وقت خاکی نیکر اور ریشمی قمیض پہنے ہوئے تھا اور پیروں میں گھونسہ کے کام کی چپل تھی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا اس لئے میرا سر دیوار سے

ٹکرایا۔

مجھے بھی جوش آگیا اور میں نے سنبھل کر پہلے تو اس کو سنبھالا پھر اسے فرش پر اٹھا کر پٹخ دیا۔ اور پیر سے چپل نکال کر آٹھ دس رسید کر دیں۔ جلیس نے بھی دو چار ٹھوکریں لگائیں۔

لیکن نفیس نے پہلے جلیس کو ہٹایا، پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یلقیس دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پیٹھ گئیں اور رونے لگیں۔

نفیس نے مجھے سمجھا کر اس سے چھڑایا۔ یٰسین کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ اٹھتے ہی کپڑے درست کرتا ہوا نیچے چلا گیا۔

نفیس یلقیس کو سمجھا کر ان کے کمرے میں پہونچا آئیں۔ میں اسی وقت کوٹھی چلا گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد خیال آیا کہ جلیس نے کسی ضروری کام سے بلایا تھا چنانچہ فوراً واپس ہوا۔

جلیس اپنے کمرے میں پلنگ پر بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں۔ ان کو روتا ہوا دیکھ کر میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"——— کیا بات ہے جلیس"!

ب میں ان کو چھوٹی سرکار کے بجائے جلیس کہنے لگا تھا۔

وہ برابر روتی رہیں، میں بھی برابر سمجھاتا رہا۔ جب ان کو قدرے سکون ہوا تو بولیں۔

آپا جان نے آج جو کچھ بھی کہا ہے صحیح کہا دوسرے بھی کہہ سکتے ہیں"

بلقیس نے ان کے کردار پر حملہ کیا تھا۔

میں نے کہا "جب چاند نکلتا ہے تو کتے بھونکتے ہیں ـــــ آپ سمجھدار ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہیں ـــــ"

انھوں نے سسکیاں لیکر کہا " میرے دل میں ہمیشہ خدا کا خوف رہا ہے میں نے کبھی ان سے سخت کلامی نہیں کی ـــــ لیکن خدا نے آج مجھے ذلیل کرا دیا"

"آپ کو قطعی خیال نہ کرنا چاہیئے ـــــ اور پھر وہ اپنے آپے ہی میں کب تھیں"

"سہراب! کتنے شرم کی بات ہے۔ دنیا کیا کہے گی کہ ان کی بڑی بہن شراب پیتی ہیں ـــــ ٹھیکہ دار صاحب کی بڑی کی ـــــ ابا جان کو جب معلوم ہوگا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان پر کیا گزرے گی ـــــ"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر تک دونوں اسی طرح اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔

جلیس نے دو چار بار میری طرف دیکھا وہ اس کی منتظر تھیں کہ میں کچھ کہوں اور میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ الفاظ زبان پر نہیں آ سکتے تھے۔

جلیس کو بھی اس کا علم ہو چکا تھا اس لئے کچھ دیر بعد وہ بولیں۔

"کیوں ـــــ تم چپ کیوں ہو گئے ـــــ؟"

"کچھ نہیں ——"

"کچھ کیسے نہیں —— کوئی بات ضرور ہے —— تم کچھ کہنا چاہتے ہو لیکن کسی وجہ سے نہیں کہہ سکتے ہو"

"بات تو یہی ہے ——"

"تو پھر کہتے کیوں نہیں ہو مجھ سے بھی کوئی پردہ ہے ——؟"

"نہیں ——"

"تو پھر کہو —— کیا کہنا چاہتے ہو ——"

"میں جو کچھ بھی کہوں گا وہ آپ لوگوں کی بھلائی کے لئے کہوں گا ——"

"مجھے اس کا احساس ہے ——"

"بلقیس کی حالت دیکھ کر یقیناً مجھ کو بہت دکھ ہوا ہے —— کیونکہ مجھے یہاں آئے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ میں اس گھر کو اب اپنا گھر سمجھنے لگا ہوں اور کم از کم آپ اور ٹھیکہ دار صاحب بھی مجھ کو اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھتے ہیں ——"

"یہ حقیقت بھی ہے ——"

"بلقیس نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ خلاف توقع نہیں ہے"

"کیوں ——؟" جلیس نے متعجبانہ لہجہ میں پوچھا۔

"کہہ دوں ——؟"

"ہاں ضرور کہو ——"

"یہ سب ٹھیکہ دار صاحب کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے۔ جوان لڑکوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ان کو ان کی مرضی پر چلنے دیا اور خود جس عالم اور ماحول میں رہے اس کا آپ کو بھی علم ہے"۔

جلیس نے سر جھکا لیا۔ میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لڑکا ہو یا لڑکی وہ عموماً اپنے والدین کے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں آپ لوگوں نے سن شعور کو پہونچنے کے بعد صرف یہی چیزیں دیکھیں —— شراب اور ——"

"بس خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ مہراب ——" جلیس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اچھی نیت سے کہہ رہا ہوں"۔

"میں جانتی ہوں —— لیکن میں بھی تو اسی ماحول میں پروان چڑھی ہوں"۔

"یہ خوشامد نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ آپ ان سب کی اصلاح کے لئے اس گھر میں پیدا ہوئی ہیں۔ یہ نظامِ قدرت ہے ——

جنگل میں جہاں زہریلی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں وہاں ایسے پودے بھی اُگتے ہیں جو ان کا توڑ ہوتے ہیں ——

نیپال کی ترائی میں ہر جگہ انہیں زہریلے سانپ اور بچھو ملتے رہتے

ہیں اسی جگہ ایسے خودرو پودے بھی ہوتے ہیں جن کی پتیاں تریاق کا اثر رکھتی ہیں"۔

جلیس نے پھر سر جھکا لیا اور خاموش بیٹھی ہوئی کچھ سوچتی رہیں میں نے کہا۔

"اس گھر اور یہاں کے ماحول میں رہ کر ہر شخص کو اس رنگ میں جانا چاہیئے تھا لیکن یہ نظام قدرت ہے کہ کچھ لوگ اس ماحول سے متاثر نہیں ہوتے وہ تاریکی میں بھی اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں ——

جب میں یہاں آیا تو دو چار روز بعد اس ماحول سے ایسا اکتایا کہ ملازمت چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ میں یہاں رہوں اپنا مستقبل روشن کروں۔ چنانچہ رحیم خاں نے کوشش کر کے مجھے زنان خانہ میں بھجوا دیا"۔

جلیس نے سر اٹھایا اور مجھے دیکھنے لگیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

یہاں آ کر میری پہلی ٹکر آپ سے ہوئی —— دالان میں شاید آپ کو یاد ہو؟"

جلیس نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا" ہاں یاد ہے تم نے مجھے اپنے ہاتھوں پر سنبھال لیا تھا"۔

معاف فرمایئے گا۔ اس وقت میں بہت صفائی کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں ——"

"ہاں تم کہے جاؤ ——"

"اس پہلی ٹکر نے میرے خفتہ جذبات بیدار کر دیئے ——
اسے یوں سمجھئے کہ میں ایک دریا تھا جس کے پشتے میں ہلکا سا شگاف
پڑ گیا اور پانی رسنے لگا۔ بلقیس نے پشتے کے اسی شگاف کے پاس سے
ایک پتھر نکال لیا اور دھارا بہنے لگا۔ اور بتدریج بڑھنے لگا۔ میں تباہی
کے راستہ پر گامزن ہو گیا۔ لیکن قدرت کو مجھے بچانا منظور تھا آپ نے
مجھے تعلیم کی طرف متوجہ کرا دیا آپ کی معصوم نصیحتوں نے میری آنکھیں کھول
دیں۔ میں سنبھل گیا۔ آپ نے مجھے سنبھال لیا۔

"مجھے کانٹوں میں نہ کھینچو"!

"میں حقیقت بیان کر رہا ہوں مجھ سے جو لغزشیں ہوئیں ان پر پچھتا رہا
ہوں اور تمام عمر پچھتاتا رہوں گا۔ خدا مجھے معاف کر دے"!

"اگر انسان دل سے تائب ہو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو خدا
اُسے ضرور معاف کر دیتا ہے"!

"بہر حال —— میں نے پھر کہنا شروع کیا۔

"آپ نے مجھے تباہی اور بربادی سے بچایا اور ترقی میں میری معاون
اور مددگار ثابت ہوئیں میں تمام عمر آپ کا ممنون
احسان رہوں گا"!

"چھوڑو ان باتوں کو —— مجھے آپا جان کا خیال پریشان کیے
ہوئے ہے ——"

"مجھ کو اور آپ کو دونوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن اس سے قبل ——" میں کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

"کیوں —— تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

"بعض ایسی باتیں ہیں جو گستاخی اور نمک حرامی پر محمول کی جا سکتی ہیں"۔

"تم مجھ سے سب کچھ کہہ سکتے ہو —— مجھے تم پر اعتماد ہے"۔

"ٹھیکہ دار صاحب پر فالج کا اثر ان کی شراب خواری اور —— یعنی یہ کہ انہی بدعنوانیوں کا نتیجہ ہے —— مجھے ڈاکٹر جیلانی نے سب بتا دیا ہے —— وہ کہتے ہیں کہ اگر اب دوبارہ انھوں نے شراب شروع کر دی تو ان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور فالج کے علاوہ حرکت قلب بند ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے"۔

"میں اُن کو شراب نہ پینے دوں گی"۔

اگر ایسا ہوا تو وہ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے"۔

سرفراز نے بالکنی میں آکر مجھے پکارا۔ میں اس کے ساتھ ٹھیکہ دار صاحب کے پاس چلا گیا۔ انھوں نے مجھے بلایا تھا۔ آگرہ سے تار آیا تھا انھوں نے کہا۔

"تم کو اس سال ہائی اسکول کے امتحان میں بھی شریک ہونا ہے اور کام بھی زیادہ ہے"۔

میں نے کہا "آپ فکر نہ کریں۔ میں امتحان میں شریک ہوں گا۔

اور انشاء اللہ تعالےٰ کامیاب ہوں گا ——"

"ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن ——" وہ ہنسنے لگے۔

"جلیس مجھ سے روز لڑتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اب سہراب کو زیادہ نہ بھیجا کیجئے"۔

"میں ان کو سمجھا دوں گا"۔

"سنٹرل کمانڈ کا تار ہے۔ کرنل میکفرسن اور امریکن میجر جنرل ٹامسن سے جا کر ملو"۔

"میں آج شب کو ٹرین سے چلا جاؤں گا"۔

"میں کچھ دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر زنان خانہ کی بالکنی میں آگیا۔ وہیں ظہر کی نماز ادا کی اور کتاب لے کر بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد نفیس بھی آکر بیٹھ گئیں۔ ان کو بھی بلقیس کی حالت پر بہت افسوس تھا۔

باتوں باتوں میں میں نے ان کو سمجھایا کہ وہ بھی اپنی اصلاح کریں اور تعلیم کو بالائے طاق رکھ کر شفیع الدین سے شادی کر کے یہاں رہنے کے بجائے ان ہی کے ساتھ انگلستان چلی جائیں وہاں رہ کر وہ بھی اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکتی ہیں۔ شفیع الدین سے ان کو کافی مدد ملے گی۔

وہ میری طرف سے پہلے ہی مایوس ہو چکی تھیں۔ میرے اس مشورے پر ان کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگیں۔

میں نے ان کو نہیں خاموش کرایا تاکہ دل کا غبار ہلکا ہو جائے۔

کچھ دیر بعد جب ان کو قدرے سکون ہوا تو میں پھر ان کو زندگی کے نشیب و فراز سمجھانے لگا۔ وہ ۴ بجے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور میں جلیس کے ساتھ ٹھیکہ دار صاحب کے پاس چلا گیا۔ میں اسی روز آگرہ چلا گیا اور پانچ روز بعد واپس آیا۔

واپسی پر مجھے الطاف سے معلوم ہوا کہ ارشد آئے تھے لیکن نفیس نے ان کو فوراً واپس کر دیا اور تاکید کر دی کہ اب آئندہ نہ آئیں۔

بلقیس اس روز سے زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتی تھیں لیکن یٰسین سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ الطاف نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ بھی پاگلوں کی طرح اکثر اس سڑک کے چکر لگایا کرتا ہے۔ مجھے اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا۔ اور خود بخود اس کے لئے دل میں ہمدردی پیدا ہونے لگی مجھے اس پر بھی افسوس تھا کہ میں نے اس کو کیوں جوتوں سے مارا۔ لیکن وہ شراب کے نشہ میں تھا اس لئے میں نے خود کو حق بجانب سمجھا۔

ایک روز میں صبح لکھنؤ ایریا آفس چلا گیا اور ۱۲ بجے کے قریب واپس آیا اور سیدھا آفس چلا گیا۔ اس کا ایک دروازہ ٹھیکہ دار کی آرام گاہ میں کھلتا تھا لیکن دبیز پردوں کی وجہ سے اس کی کوئی چیز نہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے جیسے ہی آفس میں قدم رکھا جلیس کی آواز سنی۔ وہ قدرے تیز لہجہ میں ٹھیکہ دار صاحب سے کہہ رہی تھیں۔

جب باپ شراب پی سکتا ہے تو پھر بیٹی کیوں نہ پیئے۔ جب باپ اپنے

لئے دنیا کی لعنتیں روا رکھ سکتا ہے تو بیٹی اپنا دامن کیوں بچائے"!

"جلیس خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ ——" ٹھیکہ دار صاحب کی آواز سنائی دی۔

"آپ مجھے شوٹ کر دیجئے ——" جلیس نے رونی آواز میں کہا۔

"میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں —— ایسی ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے —— دنیا کیا کہے گی"!

وہ رونے لگیں۔

ٹھیکہ دار صاحب نے مرتعش آواز میں کہا "یہ سب میری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے —— خدا تو مجھے موت دے دے —— مجھے اٹھائے"!

"للہ خود کو نہ کوسیئے —— آپ کی بلائیں لیکر میں مر جاؤں"!

ٹھیکہ دار صاحب نے جلیس کو شائد اپنے سینے سے لگا لیا اور رونے لگے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے روتے ہوئے کہا۔

"جلیس تو فرشتہ ہے —— خدا تجھ کو زندہ رکھے اور میں مر جاؤں —— آہ میں کیا سن رہا ہوں —— میری لڑکی نے شراب پی اور اس کے کمرے سے ایک غیر مرد نکلا ——"

وہ اپنا سر اور سینہ پیٹنے لگے۔ جلیس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں نے کمرے میں داخل ہو کر ٹھیکہ دار صاحب کو سنبھالا جلیس کو خاموش کرایا اور ٹھیکہ دار صاحب کو شربت پلایا کچھ دیر کے بعد وہ سو گئے۔

جب میں دوسرے کمرے میں کھانا کھانے کے لئے گیا تو جلیس بھی وہیں

آگئیں۔ میں نے کہا۔

"آپ نے ان سے سب کچھ بتا دیا ——— ؟"

"ہاں ——— ضرورت بھی اسی کی تھی ———" انھوں نے جواب دیا۔

"وہ یٰسین کے والد اور نانا دونوں کو جانتے ہیں ——— ان کے والد فوج میں مینجر تھے اور ابھی حال ہی میں العالمین کے مورچے پر ہلاک ہوئے ہیں ان کے نانا غلام احمد چشتی مراد کے مشہور حکیم ہیں۔ کافی جائداد ہے ابا جان آج ان کو خط لکھیں گے۔ ان کی جائداد کے واحد وارث یٰسین ہیں"۔

یعنی بلقیس کی شادی یٰسین سے ہو جائے گی ———"

"ہاں ——— اور یہی مناسب بھی ہے"۔

"اور رفیع صاحب ——— دہلی والے"۔

"ابا جان کو وہ رشتہ پسند نہیں ہے۔ شفیع الدین ہونہار ہیں لیکن رفیع الدین آوارہ طبیعت اور بالکل بدھو ہیں"۔

"کب تک خیال ہے ——— ؟"

"بہت جلد ———؟"

"یعنی امتحانات کے بعد ———"

"ہاں ———"

تینوں بہنیں ایک ساتھ ہائی اسکول کے امتحان میں شریک ہو رہی تھیں۔

میں نے کہا "ان دونوں کے جانے کے بعد آپ تنہا رہ جائیں گی"!

"ہاں ——" کہہ کر انھوں نے مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ کھانا آگیا اس نے بھی میرے ساتھ کھانا کھایا اور مجھے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے چپ کیوں ہو گئے ——؟"

"کچھ نہیں ——"

میری تنہائی کے خیال سے ——" اس نے ہنس کر پوچھا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے اس کو استفسارانہ نظروں سے دیکھا وہ بولیں "لیکن میں تنہا نہیں رہوں گی وہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔

"کیسے ——"

اس وقت تک تمہاری دلہن بھی تو آچکی ہوں گی ——"

"آپ بھی مجھ سے مذاق کرتی ہیں ——"

"اس میں مذاق کی کون سی بات ہے —— تم ہمارے یہاں رہتے ہو —— ہمارا فرض ہے کہ تمہارے لئے لڑکی تلاش کریں —— اور اس کام میں ایسی دشواری بھی نہیں ہوتی"

"یعنی ——؟"

"یعنی یہ کہ میں نے لڑکی تلاش کر لی —— تلاش کیا کر لی خود مل گئی —— سلمیٰ ——"

"جلیس نے ہنستے ہوئے کہا اب مٹھائی کھلاؤ ——"

میں بوکھلا گیا۔ وہ بھی فوراً سنجیدہ ہو گئیں اور مجھ سے پوچھا۔

"کیوں کیا بات ہے ——"

اِدھر کچھ عرصہ سے سلمیٰ مجھ سے باتیں کرنے لگی تھی۔ میں نے کہا۔

"لیکن مجھے تو سلمیٰ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ——"

"—— لیکن اس کو تو تم سے لگاؤ ہے ——"

کیا اس نے تم سے کہا ہے ——"

"محبت کی نظریں چھپی نہیں رہتیں ——"

میں نے فوراً سوال کیا "کیا آپ محبت کی نظریں پہچان لیتی ہیں؟"

میرے اس سوال پر وہ گھبرا گئیں اور فوراً نگاہیں نیچی کر لیں۔ میں ان کو کچھ دیر تک اسی طرح دیکھتا رہا۔ انھوں نے ایک بار اچٹتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا اور گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت وہ بہت پریشان ہے اور یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ اس لئے میں نے کہا ——

"اب آپ جا کر آرام کیجئے مجھے کچھ کاغذات دیکھنا ہیں"

وہ اٹھی اور دروازے تک آہستہ آہستہ گئی لیکن دروازے تک پہونچتے ہی وہ برقی سرعت کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

—— ⁂ ——

میں اب جلیس کی محبت میں اس درجہ کھو گیا تھا کہ بلقیس نفیس اور ان لڑکیوں کا مجھے خیال بھی نہ آتا جنھوں نے مجھے جنسی لذت سے دو چار کیا تھا۔ بلقیس اور نفیس اب بھی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے آتیں مگر میرے لئے اب ان میں کوئی کشش نہ تھی البتہ میں روز بروز جلیس کی طرف کھنچتا جا رہا تھا۔ بارہا میرا دل چاہا کہ میں اسے لپٹا کر پیار کروں لیکن اس کے رعب حسن نے کبھی عمل کی اجازت نہ دی جب بھی دل للچایا، ضمیر نے اسے روکا لیکن اب پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

ہر بات کی ایک حد ہوا کرتی ہے، میرے جذبات اب دبائے نہ دبتے تھے خصوصاً جلیس کی ہمدردیوں اور توجہات نے مجھے اور بھی دیوانہ بنا دیا تھا یہ سمجھنا اب دشوار نہ تھا کہ وہ مستقل طور پر اپنے تئیں میرے سپرد کرنا چاہتی ہے اسی لئے اور بھی میں بے صبر ہوا جا رہا تھا۔

ایک روز رات کو مجھے ایسی بے چینی ہوئی کہ کسی طرح نیند ہی نہ آتی میں سردی کے باوجود کمرے سے نکل کر بالکنی میں ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ٹہلتے جلیس کے کمرے کے سامنے پہونچ گیا۔ اس کے کمرے میں ہلکا سبز رنگ کا بلب روشن تھا میں نے آہستہ سے پردہ اٹھا کر اندر قدم رکھا اور آہستہ آہستہ چوروں کی طرح اس کے پلنگ کے قریب پہونچ گیا۔

ریشمی لحاف اوڑھے جلیس اس طرح محو خواب تھی جیسے کوئی حور جنت میں سو رہی ہو، ہلکی سبز روشنی کا عکس اس کے گورے گورے گالوں پر پڑ رہا تھا میں مبہوت ہو کر اس کے پلنگ کے پاس ہی بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور اسے

دیکھنے لگا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ یوں ہی سوتی رہے اور میں اسے یوں ہی ایک ٹک دیکھے جاؤں۔

کافی دیر تک میں بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ یکا یک اس نے جنبش لی اور لحاف کو سینہ سے نیچے کر کے اپنے ہاتھ اوپر نکال لئے۔

وہ شب خوابی کا ایک باریک ریشمی لباس پہنے تھی۔ لحاف ہٹتے ہی اس کے سینہ کا تموج صاف نظر آنے لگا۔

اب میری خواہشات بدل رہی تھیں۔ صرف دیکھتے ہی رہنے کی تمنا اپنی حدود سے بڑھ کر اسے چھونے کی خواہش میں تبدیل ہو رہی تھی، میں نے بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا لیکن فوراً ہی میرے بدن میں ایسا ارتعاش پیدا ہوا کہ میں تھر تھر کانپنے لگا اور کچھ ایسی گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوئی کہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھوں سے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مجھے لرزہ آگیا ہو۔ میں نے جلیس کی پائتی پر پڑے ہوئے کمبل کو اٹھا کر اوڑھ لیا اور تھوڑی دیر بعد میری کپکپاہٹ کم ہوئی تو پھر میں نے جلیس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

وہ بے خبر سو رہی تھی ایسی بے خبر کہ اسے میری اس حرکت نے بھی بیدار نہیں کیا۔ تو میری ہمت اور بڑھ گئی اور میں کرسی سے اٹھ کر اس کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر اس کے شہابی گالوں کو چومنے کے لئے جھک گیا، جو سبز روشنی میں ہلکے سبزی مائل ہو گئے تھے۔

میرے تھرتھراتے ہوئے لب اس کے سیب جیسے رخساروں کے قریب پہنچ گئے۔

حسن کا یہ خوابیدہ فتنہ مجھ پر جادو کا کام کر رہا تھا۔ میں انجام سے بے خبر ہو کر ہوس کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا ایک ہاتھ دوسری پٹی پر رکھ کر اپنے کو اس قدر جھکایا کہ میرے ہونٹ اس کے گالوں سے مس ہو گئے میں نے اسے پیار کر لیا۔ وہ اس کے باوجود بیدار نہ ہوئی البتہ اس نے کروٹ لے لی، اس طرح اس کا دوسرا گال دعوت دیتا ہوا آ گیا اور میں نے اپنے ہونٹ اس پر ثبت کر دیئے ——— اس مرتبہ جلیس کی آنکھ کھل گئی اور گھبرا کر اٹھنے لگی تو میں نے اپنے سینہ کے بوجھ سے اسے دباتے ہوئے پھر بستر سے لگا دیا، وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر بولی۔

"سہراب میں خواب دیکھ رہی ہوں یا واقعی تم ———

میں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "جلیس خواب نہیں یہ حقیقت ہے مجھے معاف کرنا، میں آج اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں"

جلیس نے بے چینی سے مچھلی کی طرح تڑپتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا،

"ہوش میں آؤ سہراب ———"

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا "میری جلیس میں اپنے ہوش میں نہیں ہوں۔ میں اب صبر نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک بہت صبر کیا۔ کوئی بھی نوجوان اپنی محبوبہ سے اتنا قریب رہ کر اس سے زیادہ ضبط نہیں کر سکتا۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کر دو۔ ورنہ میں اسی وقت کوٹھی سے چلا جاؤں گا۔ اور پھر تم مجھے کبھی نہ دیکھ سکو گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب تک

میں نے کبھی تمہیں بُری نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا مگر ——— جس دن
تم سے محبت کرتا ہوں اور یہ محبت تمہاری محبت کے جواب میں پیدا ہوئی ہے
محبت میں صبر و قرار کا دامن چھوٹ ہی جاتا ہے مجھے معاف کر دو اور اس
آزمائش سے مجھے نجات دلا دو تم میری ہونا چاہتی ہو تو مجھے اس طرح نہ تڑپاؤ
میں اب صبر نہیں کر سکتا۔

جلیس کی پریشانی قدرے کم ہوگئی، اس کی جلد و جہد سرد پڑ گئی اور
اس نے اپنی مخمور نگاہوں سے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے کوئی مجروح
شکار اپنے شکاری کو دیکھتا ہے اس کی خامشی نے میرے نفس کے شعلوں کو
بھڑکا دیا اور میں نے جوشِ محبت سے اس کے لب و رخسار کو دیوانوں کی
طرح چومنا شروع کیا شائد وہ خود بھی اب لذتِ نفس کا شکار ہوگئی تھی اسلئے کہ
اس نے کوئی مزاحمت نہ کی البتہ ہاتھ بڑھا کر اس ہلکی سبز رنگ کی روشنی کو بھی
گل کر دیا جس سے سارا کمرہ سبزیری کا مسکن معلوم ہو رہا تھا۔

کہتے ہیں شیطان زیادہ تر اندھیرے ہی میں اپنا عمل کرتا ہے۔ دو جوانیاں
اس تاریکی میں پاکباز نہ رہ سکتی تھیں میں نے روشنی گل کرنے کا مطلب سمجھ لیا۔ یہ
میرے لئے پہلا ہی موقع نہ تھا، میری حرارت میں اضافہ ہوا اور رفتہ رفتہ شیطان مجھ
پر اچھی طرح مسلط ہوگیا۔ بوس و کنار سے بڑھ کر میں نے اسکے باغِ حسن کی خوشہ چینی
بھی شروع کر دی، وہ بھی گدرائی جوانی ہو رہی تھی، مرد کا اتصال اسکے لئے زہد و
تنکن ثابت ہوا، پاکباز اور پختہ کردار ہوتے ہوئے بھی اس نے سپر ڈال دی میں
ایک بھوکے گدھ کی طرح اسے لاش سمجھ کر نوچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی پاکبازی اور

عصمت کو میں نے تار تار کر دیا۔

میں اب ایک مشتاق شکاری بن چکا تھا، لیکن جلیس پہلی ہی بار کسی شکار کی کانٹ نہ بنی تھی، کیف و سرور کے ساتھ ہی شاید وہ تکلیف اور بے کیفی بھی محسوس کر رہی تھی اس لئے میں نے روشنی کر کے اسے تسلی دینا چاہی، روشنی ہوتے ہی اس نے اپنے لباس کو جلدی جلدی درست کر لیا۔ جو اس عرصہ میں معلوم نہیں کہاں سے کہاں کھسک گیا تھا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے نگاہیں شرم سے بند کر لیں، میں نے اس کے گال میں چٹکی لیتے ہوئے کہا کیا ناراض ہو گئیں اپنے سہراب سے۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور میں جواب سننے کے لئے بے چین تھا، میں نے اسے گدگدا کر ہنسانے کی کوشش کی لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گالوں پہ ہلکی ہلکی لکیریں بناتے ہوئے بستر پر جذب ہو رہے ہیں۔

میں نے اسے لپٹا کر کہا، تم رو رہی ہو جلیس خدا کے لئے مجھے معاف کر دو میں خود شرمندہ ہوں۔ آج معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا"۔

جلیس نے اپنے بازو میرے جسم پر حمائل کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "سہراب دیکھو تم نے مجھے لوٹ لیا ہے اب دھوکہ نہ دینا ورنہ میں کہیں کی نہ رہونگی"۔

میں نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جلیس میں تمہیں بھلا دوں، یہ میرے اختیار سے باہر ہے البتہ تم نہ مجھے فراموش کر دینا ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔ جلیس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور میں نے ایک بار پھر فرط محبت سے اسے لپٹا کر پیار کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد جلیس نے کہا، اب جاؤ کہیں آپا وغیرہ کو علم ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔

میں چوروں کی طرح دبے پاؤں اسے خدا حافظ کہہ کر دروازے کے قریب آیا اور چپکے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ لیکن چند ہی قدم گیا تھا کہ بلقیس نے اپنے دروازے سے ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑ لیا، میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا تو انھوں نے مجھے اندر گھسیٹا۔ میں اس وقت چور کی حیثیت رکھتا تھا۔ مدافعت بھی نہ کر سکا۔ ان کے کھینچنے پر اندر چلا گیا انھوں نے دروازہ بھیڑ دیا اور میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے پلنگ کے قریب پہونچ گئیں میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا، پلنگ پر بیٹھتے ہوئے انھوں نے مجھے بھی پاس ہی بٹھا لیا اور بولیں۔ اتنی رات میں جلیس کے کمرے سے کیسے آ رہے تھے۔

فوت گویائی اس وقت جواب دے چکی تھی، میں خاموش ہی رہا تو انھوں نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا، "بچارے جیسے کچھ جانتے ہی نہیں، بولتے کیوں نہیں میں نے بمشکل تمام زبان پر قابو پا کر کہا: "کیا بولوں۔ آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ میں اتنی رات گئے جلیس کے کمرے سے کیوں آ رہا تھا۔ بلقیس تم ہی نے مجھے خراب کیا ہے جبتک میں تمہاری ہوسناکیوں کا شکار نہیں ہوا تھا میں ایک شریف انسان تھا مگر افسوس تم نے مجھے شراب پلا کر ایک ایسی لذت سے دو چار کر دیا جس نے مجھے بدکار بنا دیا۔"

بلقیس نے کہا: "تو گویا یہ سارے جرم تم نہیں کر رہے ہو، میں کر رہی ہوں۔ خوب الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

میں نے کہا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے، اتنا گر جانیکے باوجود

میں جھوٹ نہیں بولتا۔

بلقیس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اچھا میں مانے لیتی ہوں کہ میں نے ہی تمہیں خراب کر دیا لیکن کیا مجھ میں اب کیڑے پڑ گئے ہیں۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ابھرے ہوئے سینہ پر رکھ کر دبایا اور کہا دیکھو میرا دل اسوقت بھی تمہارے لئے زور زور سے دھڑک رہا ہے، سہراب کوئی عورت بھی اتنی بے حیا نہیں ہو سکتی، میں نے جو کچھ بھی کیا تمہاری جوانی کے فریب میں آکر کیا، ذرا آئینہ میں اپنا جسم دیکھو، کون عورت اسے دیکھ کر اپنے کو قابو میں رکھ سکتی ہے۔ تم سمجھتے ہو پہل میں نے کی لیکن میں اسے تسلیم کرنیکے لئے تیار نہیں، عورت کبھی پہل نہیں کرتی تاوقتیکہ وہ اپنے ہوش میں رہے۔ تم نے مجھے مدہوش کر دیا تھا۔ تمہاری کڑیل جوانی دیکھ کر میری نیند اڑ گئی تھی، معلوم نہیں کتنی راتیں میں نے تمہاری یاد میں جاگ کر کاٹی ہیں لیکن سہراب، میں نے تمہیں اس لذت سے دوچار کیا تھا کیا اسلئے کہ تم راستہ جاننے کے بعد مجھے بھٹکتا چھوڑ کر چلدو، کیا میری محبت کا یہی صلہ ہو سکتا تھا جو تم نے مجھے دیا۔ آخر مجھ میں کیا کمی ہے کیا میں نفیس اور جلیس سے بری ہوں۔ دیکھو میری طرف دیکھو۔ اس وقت بلقیس شب خوابی کا ایک ہلکا بھڑکیلا لباس پہنے تھی اس کے بال کھلے ہوئے تھے میرا ہاتھ ابتک اس کے سینہ پر رکھا ہوا تھا اور میں اس کے دل کی دھڑکنوں سے اس کے سینہ کا مدوجزر محسوس کر رہا تھا جس وقت میں جلیس کے کمرے سے نکلا تھا دنیا میں اس کے سوا مجھے کوئی عورت بھی حسین نظر نہ آتی تھی لیکن اتنی ہی دیر میں وہ اثرات کم ہو چکے تھے۔ بلقیس اسوقت انتہائی پُر شہوت انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی، میرے جذبات جو تھوڑی دیر پہلے اپنی تشنگی جلیس سے بجھا کر

سرد پڑ گئے تھے پھر جاگ اٹھے تھے اور شیطان اس کمرے میں بھی آ گیا تھا، میں بلقیس سے نگاہیں چار کرتے کرتے مسحور ہو گیا جیسے اس نے مجھ پر مسمریزم کا عمل کر دیا ہو۔ جواب دینے کے بجائے میں نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ کر اسے اپنے قریب کھسکایا اور ایک لمحہ بعد اسے اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرنے لگا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں حمائل کر کے اپنے تئیں مجھ سے اس طرح پیوست کر دیا جیسے کہ ہم دونوں ایک ہی ہو گئے ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ نیس اور جلیس دونوں ہی بلقیس سے کم سن اور حسین تھیں لیکن جنسیاتی کیف و سرور بخشنے میں جو ملکہ اور مہارت بلقیس کو حاصل تھا وہ دونوں اس سے محروم تھیں۔ یہ کہنہ مشق عیاش کی طرح اس فن میں طاق تھی چند ہی لمحات میں اس نے مجھے کیف و سرور کی ایک ایسی دنیا میں پہونچا دیا جہاں میں جلیس کو بھی بھول گیا جس کی صورت آج کل میری نگاہوں میں پھرا کرتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر قبل میں یہی کھیل جلیس کے ساتھ کھیل آیا تھا لیکن اس کھیل اور اس کھیل میں فرق تھا اس وقت میں تنہا ہی نہیں کھیل رہا تھا بلقیس بھی اپنے جوہر دکھا رہی تھی شائد وہ مجھ کو جلیس سے چھیننے کے لئے ہمہ تن عیش و نشاط بن گئی تھی۔

میں دنیا و مافیہا سے بے خبر دادِ عیش دیتا رہا یہاں تک کہ اس سردی میں بھی ہم دونوں کو پسینہ آ گیا۔ بلقیس اپنے تئیں مجھ میں فنا کر دینے کی جد و جہد کر رہی تھی اور میں خود اس میں مل جانے کی کوشش کر رہا تھا ——— ابھی عیش و نشاط کی یہ گھڑیاں ختم نہ ہوئی تھیں کہ کمرے کے باہر کچھ آہٹ ہوئی۔

اور فوراً ہی بعد ٹھیکہ دار صاحب کی گرجتی ہوئی آواز کان میں پہونچی۔

"کہاں ہے وہ بدمعاش ——؟"

کاش اس آواز کے کانوں میں پڑنے کے بجائے بجلی اپنی پوری قوت سے مجھ پر گر پڑتی۔ کاش زمین زلزلہ کی ہیبتناک گرج کے ساتھ پھٹ جاتی اور میں پلنگ کے اس میں گھس جاتا —— لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ٹھیکہ دار صاحب اپنے ڈنڈے کا سہارا لیتے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہو گئے مجھے اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ میں بھاگ کر دوسری طرف پھاند پڑتا، خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔

ٹھیکہ دار صاحب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی میں بلقیس کو چھوڑ کر پلنگ سے اتر گیا۔

بلقیس نے گھبرا کر اپنے شب خوابی کے لباس کے بٹن لگانا شروع کر دیئے کمرے میں اتنی روشنی تھی کہ ہم نے ٹھیکہ دار صاحب کو اور انھوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ غصہ سے تھر تھر کانپ رہے تھے، اسی حالت میں میری طرف بڑھتے ہوئے انھوں نے کہا۔ حرام زادے، نمک حرام ——"

اُن کی آواز بہت تیز ہو گئی تھی، وہ ڈنڈا لے کر میری طرف لپکے لیکن غصہ کی زیادتی نے انھیں بے قابو کر دیا تھا، بیماری سے وہ کافی کمزور ہو چکے تھے چلنے پھرنے کی ان میں قوت نہ تھی اس لئے کسی میز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔

اس عرصہ میں نفیس اور جلیس بھی گھبرائی ہوئی اس کمرے میں آ گئی تھیں، جلیس نے آتے ہی بجلی کا بڑا بلب روشن کر دیا تھا اور اس روشنی میں میرا منحوس چہرہ ایک غدار، ایک چور، ایک خونی اور ایک بدمعاش کی طرح جو موقع واردات پر

گرفتار کر لیا گیا ہو، ان سب کی نظروں کے سامنے تھا۔

میری طرف دیکھتے ہوئے جلیس نے متحیر ہو کر کہا "سہراب تم ——"

اور اس کے بعد وہ ٹھیکہ دار صاحب کو اٹھانے لگی۔

بلقیس بھی اب باپ کے پاس پہونچ گئی تھی۔ میں کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے ایک قدم بھی ہٹ نہ سکا۔ شرم و غیرت نے مجھے اس وقت ایک سنگی مورت بنا دیا تھا۔

تینوں لڑکیوں نے ٹھیکہ دار صاحب کو سہارا دیکر آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی انھوں نے بلقیس کی طرف دیکھ کر کہا۔

تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی بے غیرت کہیں کی۔ شرم نہیں آتی تجھے اور پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولے۔

"سہراب میں کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ تم اتنی کمینہ حرکت کر سکتے ہو۔ میں نے تم پر بھروسہ کیا تمہیں ترقی دی —— کیا اس کا یہی بدلہ تم دے سکتے تھے۔ افسوس کہ اس گناہ میں میری لڑکی کے ہاتھ بھی رنگین ہیں، ورنہ میں تمہیں گولی مار دیتا —— جاؤ اسی وقت میری کوٹھی سے نکل جاؤ پھر کبھی مجھے منہ نہ دکھانا"

میں واقعی اس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے کتنی ذلیل حرکت کی حالات کچھ بھی کیوں نہ رہے ہوں مگر دنیا کی نظروں میں میری اس حرکت کو کسی طرح بھی قابل معافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ مجھے اس ذلت و رسوائی سے بھی زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ جلیس جو واقعی مجھ سے سچی محبت کرتی تھی مجھ سے بچھڑی جا رہی تھی —— اب میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا ایک بار ٹھیکہ دار صاحب کے قدموں پر گر کر معافی مانگوں مگر ان کے قریب جانے کی بھی ہمت

نہ پڑ سکی، پھر وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح کرسی پر پڑے ہوئے کھا جانے کے تیور سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میں نے باحسرت و یاس باہر جانے کا رخ کیا لیکن جانے سے پہلے ایک بار میری نگاہیں بلقیس نفیس اور جلیس پر پڑیں بلقیس اور نفیس کے چہروں پر اس واقعہ کا کوئی خاص اثر نہ تھا لیکن جلیس کے آنسو چھلک کر رخساروں پر آ گئے تھے۔

میں سمجھ گیا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ اسے میری بیوفائی اور اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ اب وہ باپ سے میری سفارش بھی نہ کر سکتی تھی، میں اسے آخری بار دیکھتا۔ ہوا باہر نکل گیا۔ بالکنی سے گزر کر جب میں نیچے پہونچا تو میں نے دیکھا کہ یٰسین کھڑا ہوا دوسرے نوکروں سے باتیں کر رہا ہے۔

اب مجھے یہ سمجھنے میں مشکل نہ ہوئی کہ ٹھیکہ دار صاحب کو اس وقت کون لے آیا تھا، میں نے سوچا کہ اسے پکڑ کر گلا گھونٹ دوں، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ٹھیکہ دار صاحب کی نگاہوں میں میری عزت واپس نہ آ سکتی تھی۔ نہ جلیس کو میری محبت کا یقین ہوتا۔ اس لیے میں خاموش کوٹھی سے نکل کر باہر چلا گیا ——

مجھے اس جنت سے نکلے دو سال ہو چکے ہیں اس دو سال میں بھی معلوم نہیں کتنی عورتوں نے میرے جسم پر فریفتہ ہو کر اپنے تئیں میرے حوالے کر دیا لیکن اس رات کے بعد میں بالکل ناکارہ ہو گیا ہوں۔ جب بھی کسی عورت سے ملوث ہوتا ہوں ٹھیکہ دار صاحب لکڑی ٹیکتے ہوئے میرے سامنے آ جاتے ہیں اور میری رگیں جیسے مردہ ہو جاتی ہیں۔

جلیس آج بھی مجھے یاد آتی ہے۔ بارہا دل چاہا کہ اسے دیکھنے کی کوشش

کر دوں لیکن شرم سے ایسا نہیں کر سکا۔

میری زندگی اب ایک بے کیف زندگی ہے، میرے کردار کی کمزوری نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ورنہ آج میں شائد ٹھیکہ دار صاحب کی کل جائداد کا وارث ہوتا میری داستان ان نوجوانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہو سکتی ہے جو میرے ہی جیسے ماحول میں پھنس گئے ہوں انھیں چاہیئے کہ میری بربادی سے سبق لیں۔

وہی وہانوی کا بالکل نیا شاہکار ناول

رُخسار

ایک ایسی معصوم حسینہ کی داستانِ حیات جس نے جوانی تک باپ کی قید میں بسر کی اور اپنے گھر سے باہر کی دنیا سے بالکل لاعلم تھی۔ باپ کے اچانک حملے سے اُسے یکایک باہر کی دنیا میں آنا پڑا، ایک پنجرے میں بند رہنے والے پرند کی طرح اسے دنیا کی ہوا لگی، شکاری اس پر دوڑے اور اس کا جو حشر ہوا

"رُخسار" میں ملاحظہ فرمایئے قیمت ڈھائی روپیہ

(آج ہی طلب فرما لیجئے)

مکتبہ شباب لکھنؤ

دہی وہانوی کی دیگر مایۂ ناز تصانیف

جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی

ایک نوجوان لیکن غریب اور لاوارث لڑکی کس طرح امیروں کا کھلونا بنی رہی اور اپنی عزت بچانے کیلئے وہ بھاگتی رہی لیکن نوجوانی اور حسن و خوبصورتی و غربت نے اسے کہیں پناہ نہ دی دہی وہانوی کا یہ ناولٹ اپنے انداز بیان و دلکشی کے اعتبار سے ناقابل دید ہے قیمت (عہ)

دَلدَل

شہر مناک افسانے کا تیسرا رخ اسے دہی وہانوی نے اپنے مخصوص انداز میں قلمبند کیا ہے اس میں دس عبرت انگیز افسانے نقاب اٹھا کر پیش کئے گئے ہیں۔ ہماری سوسائٹی میں معمولی لغزشوں سے جو خطرناک نتائج پیدا ہوتے رہتے ہیں وہی مصنف کا موضوع بحث ہے تاکہ دوشیزہ ان ٹھوکروں سے بچیں۔ قیمت عہ

شہر مناک افسانے

آٹھ کنواری شریف اور عالی خاندان لڑکیوں نے اپنی عصمت کس طرح برباد کی انھیں کے الفاظ میں انکی دردناک داستانیں۔ معاشرت کی اُن کمزوریوں کو عریاں کیا گیا ہے جو بڑے خاندانوں کی عزت پر پانی پھیر دیتی ہیں۔

قیمت (عہ)

بھنور

شہر مناک افسانے کا دوسرا رخ۔ دہی وہانوی نے یہ سبق آموز افسانے ان لوگوں کے لئے لکھے ہیں جو اپنی گھر والیوں کیطرف سے لاپرواہ ہوکر دوسری عورتوں سے گلچھرے اڑاتے ہیں عورت روپیہ پیسہ سے خوش نہیں ہوتی وہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اسکی پرستاری کرتا رہے شوہر کی بے اعتنائیاں اسے حیوان بنا دیتی ہیں قیمت عہ

سول ایجنٹ :- مکتبہ شباب لکھنؤ